# فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیباچہ

مسیو پال رچرڈ، زمانہ حال کے ایک ممتاز فلسفی، اہل قلم، وصاحب فکر و بصیرت ہین،
وطن فرانس ہے ابتدا، وہین متعدد کتابین شایع کین، اس کے بعد مشرق کا سفر اختیار کیا،
جاپانی و ہندی تمدن، معاشرت، وعلوم سے دلچسپی شروع سے تھی، جاپان کے سفر متعدد
بار اختیار کیے، ہندوستان آکر یہان کے مایۂ ناز فلسفی درویش آربندو گھوش کی صحبت سے
خاص طور پر متاثر ہوئے، چنانچہ موصوف ہی کی معیت مین پانڈیچری (صوبۂ مدراس)
مین مستقل سکونت اختیار کر لی، اور موصوف کے ماہوار فلسفیانہ رسالہ آریہ کی تہذیب و
ادارت مین شریک ہو گیے،

عین دوران جنگ مین ایک کتاب اقوام عالم کو مخاطب کر کے شایع کی جسکا
نام انگریزی مین "ٹو دی نیشنس" ہے جسکا صحیح لفظی ترجمہ "الی الاقوام" ہو سکتا ہے، خیالات مین وطن
دوستی کے بجائے عالم دوستی غالب ہے، اپنا وطن بجائے کسی خاص ملک کے سارے روئے
زمین کو بتاتے ہین، اپنا ہموطن بجائے کسی خاص ملک کے باشندون کے

کل نوع انسان کو سمجھتے ہین، جنگ کے قطعی دشمن ہین، قتل و خون ریزی کو ہر حال اور ہر صورت ہین رخواہ وہ محض تعزیراً دمعاوضتہً ہو) ناجائز قرار دیتے ہین، آزادی ہر قوم کا فطری حق مانتے ہین، جدید تمدن اور اس کے لوازم (مادیت، فقدان روحانیت، زرپرستی، نظام سرمایہ داری وغیرہ) کے سخت مخالف ہین، ان تمام خیالات کا اظہار اس کتاب مین جابجا کیا ہے، تصنیف کا مقصد اصلی متحاربین کو جنگ سے روکنا، اور مستقل و پائدار صلح کی جانب دعوت دینا تھا، اس دعوت کو سب پر مقدم رکھا ہے،

سنہ ۱۹۱۷ء مین کتاب کی اشاعت امریکہ مین ہوئی، رابندرو ناتھ ٹیگور نے مقدمہ لکھا، دوران جنگ مین اس پیام صلح کا ہندوستان پہنچنا دشوار تھا، جاپان و امریکہ کی ڈاک پر سخت احتساب سرکاری قائم تھا، ایک عرصہ کے بعد کتاب ہندوستان آئی، اسکا ترجمہ (مگر لفظی نہین) صفحات آیندہ مین پیشکش ہے،

مسودہ سے آغاز سنہ ۱۹۲۰ء مین فراغت ہوگئی تھی، اشاعت کی نوبت سنہ ۱۹۲۳ء کی آخری سہ ماہی مین آرہی ہے، ساڑھے تین سال کی مدت مین کیا کیا موانع پیش آتے رہے اسکی تفصیل نہ راقم سطور کے لیے خوشگوار ہوسکتی ہے نہ ناظرین کے لیے ضروری ہے،

مجھے خود بھی اس مبحث پر بہت کچھ کہنا تھا سب کہنے کی گنجائش تو نہ نکل سکی، البتہ اہم تر عنوانات پر تبصرہ مین کچھ عرض خیال کیا ہے، آخر کے تینون ضمیمہ بھی اصل کتاب مین نہ تھے مین نے ان معلومات کا اضافہ کردینا بہتر خیال کیا، کتاب کے نام مین بھی اصل کی پابندی نہین کی، بلکہ محض مفہوم کو لے کر پیام امن نام رکھا، اس تغیر و اضافہ کے

کے ساتھ اگر اس مجموعۂ اوراق کو محض ترجمہ کے بجائے تالیف سمجھا جائے تو شاید واقعیت سے زیادہ خلاف نہ ہو،

بعض مسائل مین مجھے جناب مصنف سے اختلاف ہی، مثلاً یہ کہ وہ قتل کو بہر صورت و بہر حال ممنوع قرار دیدینا چاہتے ہین، میرے نزدیک شاذ صورتون مین قتل جائز اور شاذ تر صورتون مین واجب ہو جاتا ہے، دنیا مین قتل سے بھی بڑھکر ایک لعنت فتنہ، فساد و بدامنی کی ہے جو سرے سے حیات اجتماعی کی بیخ کن ہی، اگر اس کے روکنے کی کوئی صورت بجز قتل کے نہ نظر آئے، تو ایسی صورت مین قتل و قتال ایک اخلاقی فرض ہو جاتا ہے، البتہ یہ مخصوص صورت نادرًا پیدا ہوتی ہے اور اس آخری حربہ کے استعمال سے بیشتر تمام امکانی تدابیر کا کافی تجربہ کرلینا چاہیے، اسلام نے بھی جو دنیا کے لیے بجائے خود ایک مستقل و ابدی "پیام امن" ہے، فتنہ و فساد کی معصیت کو قتل سے شدید تر قرار دیا ہے، وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقر-ع ۲۴) وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقر-ع ۲۷) اور قتال کی غایت محض دفع جور و بدامنی ارشاد کی ہے، وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (بقر-ع ۲۴) اسی طرح بعض اور مسائل مین بھی مصنف کے قدم کو جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا پاتا ہون لیکن بہ حیثیت مجموعی اس کے اقوال اس قدر صحیح، صائب و دلپذیر ہین، کہ اردو خوان جماعت کو ان سے محروم رکھنا ایک فرض فراموشی تھی،

عبدالماجد
ستمبر ۱۹۲۳ء
دریاباد۔ بارہ بنکی

# مقدمہ

از، رابندر دناتھ ٹیگور

اقوام زندہ ہستیاں ہین، ہر قوم اپنی ایک مستقل وجداگانہ شخصیت رکھتی ہے، یہی سبب ہے، کہ جرمن و فرنچ قومین باوجود ایک دوسرے کے ہمسایہ ہونے اور بہت سی نسلی خصوصیات مشترک رکھنے کے باہم امتیازات بھی رکھتی ہین، جو کسی طرح نظرانداز کیے جانے کے قابل نہین،

لیکن حکومتون پر زندہ ہستیون کا اطلاق نہین ہو سکتا، وہ محض نظامات قوت ہوتی ہین، یہی باعث ہی کہ ان کے خصوصیات مادی و نفسی سب جگہ یکساں ہوتے ہین، اور اُنمین جو کچھ فرق ہوتا ہے، وہ فرق صرف مدارج قوت کا ہوتا ہی، اگر کبھی اتفاقات سے، انسانی شخصیت کو نشو ونما پانے اور برگ و بار پیدا کرنیکا موقع مل گیا، تو حکومت کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے، اور قوم کو تکملۂ حیات کا موقع مل جاتا ہی، لیکن جہان کہین مادی نظامات کی جکڑبند بالکل مکمل ہوئی، وہان حکومت ہی کا بول بالا رہتا ہے، دنیائے موجودہ مین قومونکی زندہ روح اور حکومت منضبط کے طریق کار کے درمیان کشمکش برابر جاری ہے، اور یہ جنگ بالکل اسی طرح کی ہی جیسے ایشیا متوسط مین انسانی آبادی اور صحرا و ریگستان کے حدود کے درمیان ہو رہی تھی اور جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر انسانی آبادی و رونق کا وجود مٹ گیا، اسی طرح جب انسانیت کے بلند اصول پس پشت ڈال دیے جاتے ہین، تو نظام حکومت کی آہنی گرفت، شدت تکمیل کو

پہنچنے لگتی ہے، تا آنکہ کچھ روز کے لیے وہ فخریہ اپنے تئیں سب سے قوی، اور قیام و بقا کے لیے "اسلح" قرار دینے لگتی ہے۔

لیکن اسکا بقا، انسان کے اُس حصہ کا بقا ہے جس مین زندگی سب سے کم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ حکومت کی لاکھ توسیع ہو، تنوع و تازگی جو زندگی کے آثار ہین، کہین نہ ملین گے، بلکہ انکے بجائے ہر جگہ یکسانیت و یکرنگی ملے گی۔ چنانچہ آج جو شہر بڑی بڑی حکومتون کے مظہر ہین، مین فرانسکو سے لندن، اور لندن سے ٹوکیو تک، سب ایک نمونہ کے، اور ایک قالب مین ڈھلے ملین گے انکے چہرہ کہین نہ دکھائی دین گے، ان پر نقاب پڑے ہوئے ملین گے۔

اقوام، بحیثیت زندہ اشخاص کے اپنے اظہار مدعا کے بہی طریقہ رکھتی ہین، اور اس طرح وہ متعدد چیزین خلق کرجاتی ہین، یہ تخلیقات کیا ہین؟ علم و فن، حکمت و ادب، اور آداب معاشرت و رسوم، یہ چیزین مختلف اقوام مین مختلف ہو تی ہین، لیکن متضاد کبھی نہین ہوتین۔ جس طرح ضیافت مین انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ہین، اُسی طرح اِن چیزون کا تنوع و تعدد، ہمارے لطف کے زیادہ مواقع پیدا کرتا، اور حق شناسی مین معین ہوتا ہے۔ عالم انسانی مین حسن و لطافت عبارت انھین چیزون سے ہے۔

لیکن حکومتون کا کام تخلیق نہین، انکا کام محض مادی پیداوار اور اسکی بربادی ہے۔ مادی پیداوار کے لیے نظامات قایم کرنا بے شبہہ ضروری ہین، اور بعض دفعہ انکی تخریب و بربادی کے لیے بھی نظامات کا قیام ضروری ہوجاتا ہے، لیکن جب انکے محرک، طمع و نفرت کے جذبات ہوتے ہین، جب دنیا پر انھین کی عملداری قایم ہوجاتی ہے، اور جب انکے سامنے وہ زندہ

انسانیت جو مشین کا کام کرتی رہتی ہے، ایک گوشہ مین ڈال دیجاتی ہے، طاقت توازن درہم برہم ہو جاتا ہے، اور حوادث انسانی کی برق رفتاری اقتان وخیزان ہلاکت کی طرف لے جانے لگتی ہے،

انسانیت جبوقت تک زندہ ہے، ہدایت ضمیر کا پابند رہتی ہے، لیکن جب وہ قالب بے روح ہو کر ایک مشین رہ جاتی ہے، اسوقت ہدایات ضمیر کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہے، ایسی صورت مین اسمین نشو ونما کی قوت باقی نہین رہتی، بلکہ صرف تکثیر وازدیاد کی خواہش رہ جاتی ہے۔ اب اسکے اعمال تعمیری تمامتر خارجی ہوتے ہین، جو ہدایات باطن کی رہنمائی سے آزاد ہوتے ہین۔ اس تعمیر مین ہم پتھر پر پتھر رکھتے چلے جاتے ہین، اور تازہ ترین سائنٹفک اصولات کے مطابق ان پتھرون کو جوڑتے جاتے ہین، تاہم چونکہ اس عمارت کی اصلی بنیاد انسان کی زندہ روح پر ہوتی ہے، اور وہ ایک حد خاص سے زیادہ اس بار کو نہین سنبھال سکتی، اسکا نتیجہ لازماً یہ ہوتا ہے، کہ کوئی نہ کوئی سبب جو بظاہر بہت خفیف ہوتا ہے، اسکو جنبش دیدیتا ہے، اور یہ عظیم الشان عمارت ڈگمگا کر بالآخر زمین پر آرہتی ہے، پھر جسوقت یہ گرنے لگتی ہے، اسکو برقرار رکھنے کی کوئی تدبیر سمجھ مین نہین آتی، یہ عمل تخریب ہمین ناگوار و مذموم معلوم ہوتا ہے، لیکن اسوقت تمام اخلاقی مواعظ ودانشمندانہ مشورہ قانون کشش اخلاقی کو قیام توازن سے روکنے کی کوشش مین بے اثر ثابت ہوتے ہین۔

مدنی الطبع انسان کا نصب العین، بےغرضی ہوتا ہے، برخلاف اسکے حکومت کا نصب العین خود غرضی ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ فرد کے لیے خود غرضی مذموم سمجھی جاتی ہے، لیکن حکومت کے

لیئے اسے مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسی سے دنیا مین یہ اخلاقی کور بصری کا مرض شائع ہو رہا ہے
کہ حکومت کے مذہب اور قوم کے مذہب کو مُرادف سمجھا جانے لگا ہے۔ چنانچہ آج مسیحیت کی
افضلیت کا ایک بڑا ثبوت یہ پیش کیا جار ہا ہے، کہ دنیا کا بڑا حصہ مسیحی حکومتون کے قبضہ مین ہے
حالانکہ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کسی چور کے مذہب کی حقانیت پر اس امر سے استدلال کیا
جائے کہ اسکے پاس چرائی ہوئی دولت کی اسقدر مقدار ہے! ٹھگ ہر تین قتل و ہلاکت کے بعد جا کر اپنے
اپنے معابد مین خدا کا شکر ادا کرتی ہین۔ حالانکہ یعنہ اسی طرح ٹھگون کی جماعتین قتل و سفاکی کو اپنی
دیوی کا ارشاد بتاتی تھین، اور کم از کم اس حیثیت سے تو ٹھگون کو ترجیح تھی کہ انکی دیوی علانیہ خون کی
دیوی تھی۔ درحقیقت وہ دیوی اس جرائم پیشہ گروہ کی جبلت خون آشامی و سرشت سفاکی تھی،
جسکی وہ دیوی کے نام سے پرستش کرتی تھی اور چونکہ اس جذبہ کا تعلق کسی فرد سے نہین، بلکہ ساری ہی جماعت سے
تھا۔ اسی لیئے اسکا اسقدر احترام و تقدس تھا ٹھیک اسی طرح موجودہ معابد مین قومی
خودغرضی، منافرت، خودپسندی، و حرص و طمع کو اُس عبادت مین شریک کیا جار ہا ہے جیسے
صرف خدائے واحد کے لیے مخصوص ہونا چاہیے ہمین اعتراف ہے کہ سرشت انسانی مین
رذایل ودیعت کر دیئے گیئے ہین، اور باوجود قوانین اخلاق پر اعتماد، اور ضبط نفس کی تعلیم کے
بھی افراد بداخلاقیون کے مرتکب ہوتے رہین گے، اور انھین جسقدر کامیابی ہوتی جاتی ہے
اُسی قدر ہمت عصیان بڑھتی جاتی ہے،

نوع انسانی کی تاریخ مین ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوتے رہین گے جو تکلیف برداشت
کیا کرین گے، اور کچھ ایسے جو دوسرون کو تکلیف دیتے رہین گے، اور بدی کا خاتمہ پوری

کبھی بھی نہ ہو سکے گا، بلکہ جس طرح شعلہ روشن رہتا ہے، اُسی طرح پر ایک مسلسل کیفیت ہمانہ
ن مین بھی قایم رہے گی۔

مقصد آفرینش اس سے زاید اور کچھ نہین، کہ لازوال مرتبۂ معصومیت اور اسکے حصول کی عملی
می کے درمیان جو تناقض ہے، اسکو رفع کیا جاتا ہے۔ لیکن جبتک نیکی کا نصب العین،
ں عدم عملیت کے پہلو بہ پہلو قایم ہے، جبتک اعمال بد نے احساس نیک کو بالکل فنا
ن کر دیا ہے، اُسوقت تک تکلیف و اذیت کے وجود سے زیادہ متردد ہونے کی وجہ نہین۔

یہی باعث ہے، کہ گذشتہ زمانہ مین جب کبھی کوئی قوم آمادۂ شورش و فساد ہوئی
ر دوسرون کے حقوق اس نے غصب کرنے چاہے، تو خواہ اُسے کامیابی ہوئی یا ناکامی،
رصورت بات اس سے آگے بڑھنے نہ پائی لیکن آج جو حکومت کا تخیل قایم ہوا ہے، اور
اسوقت ساری دنیا پر مسلط ہے، اُس نے خود غرضی کو ایک فریضۂ اخلاق کی شکل مین
ش کیا ہے، محض اسلیے کہ یہ خود غرضی بہت بڑے پیمانہ پر ہے۔ ایسی حالت مین یہ تخیل،
نگامی و عارضی بد اخلاقیون ہی کا محرک نہین، بلکہ انسانیت کا اصلی دشمن ہے۔ یہ عقیدہ
وس بشری مین چپکے چپکے قانون اخلاق کی مخالفت پیدا کرتا ہے، نفوس بشری کے
امنے یہ مسئلہ مختلف طریقون سے بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ حکومت کا مرتبہ قوم و اشخاص
ے بلند تر ہے، اور یہ وہی حکومت ہے، جو اقوام کے مقدس ضابطۂ اخلاق کو قدم قدم
ٹھکراتی رہتی ہے۔

کہتے ہین کہ مرض کی وہ حالت بہت ہی نازک ہوتی ہے، جب دماغ بھی متاثر ہوجاتا

اس لیے کہ مقاومت مرض کے لیے دماغ ہی مرکز افواج ہوتا ہے۔ قوم کا دماغی مرض
اس مین ملکی و قومی خود غرضی کا پیدا ہو جانا ہی، اور اسکی علامات یہ ہین کہ آنکھین غصہ سے سرخ
رہتی ہین مٹھیان کسی رہتی ہین، اور اقوال و افعال دونون سے درشتی ٹپکتی ہے جسکے باعث
طبیعت اعتدال پر آنے نہین پاتی۔ حیات معاشری کی اصلی روح قوت اتیار ہے یا ہمدردی
و معاونت کا جاسۂ اخلاقی۔ اسکا کام یہ ہے، کہ اپنے اور ما سوا کے درمیان تطابق قایم
رکھے۔ لیکن جبوقت یہ روح، قانون اخلاق کی عالمگیری سے منکر ہونے لگتی ہے، اور
اُسے ایک تنگ دائرہ کے اندر محدود سمجھنے لگتی ہے، اُسوقت اسکی طاقت تشنج عضلات
کی شکل مین تبدیل ہو جاتی ہے، جو صحت و اعتدال مزاج کی دلیل نہین، بلکہ جسکا نتیجہ بالآخر
خود اُسی کے حق مین نقصان رسان نکلتا ہی،

اس سے بھی بڑھکر ستم یہ ہے، کہ اقوام کے اس مرض اخلاقی کو حب وطن یا حمیت
لقب دیا جاتا ہے، اور اسی پر شوکت لباس مین اسے ایک اعلیٰ اخلاقی جوہر سمجھا جاتا ہی
اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ مرض تمام عالم مین متعدی ہو گیا ہے، اور اس بخار کی تمتاہٹ کو
دلیل صحت کامل سمجھا جانے لگا ہے۔ یہانتک کہ اقوام کے ذہن مین، باوجود انکی فطری
آشتی پسندی کے رشک و حسد کا جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ جب وہ یہ پاتی ہین کہ خود انکی
حرارت کا پارہ اسقدر اونچا نہین، جتنا اُنکے سرسامی ہمسایون کا ہے! اور انکی قسمت مین
صرف مظلومیت ہے، درآنحالیکہ دوسرون مین ظلم و ستم کی پوری قابلیت موجود ہی!
مجھ سے میرے مغربی احباب اکثر یہ دریافت کرتے رہتے ہین، کہ آخر اس ہیبت

مرض کے دفعیہ کی تدبیر کیا ہے۔ بلکہ بارہا مجھ سے یہ اعتراضاً کہا گیا ہے کہ تم خطرات سے متنبہ کر کے الگ ہو جاتے ہو اور انکا کوئی علاج نہین بتاتے، اصل یہ ہے کہ نظام پرستی ہمارے نفوس مین اسقدر راسخ ہو گئی ہے، کہ جب کسی خاص نظام سے ہمین تکلیف ہونے لگتی ہے تو ہم سمجھنے لگتے ہین کہ فلان دوسرے نظام سے یہ تکلیف رفع ہو جائیگی لیکن ہم اس حقیقت کو بھولے ہوئے ہین کہ تمام نظامات جلد یا بہ دیر تکلیف دہ ہوتے جاتے ہین جسوقت کہ اُس نفسیت مین جو انکے عقب مین کام کرتی ہوتی ہے کوئی نقص واقع ہو جاتا ہے آج نظام قومیت قایم ہے کل ممکن ہے کہ بین الاقوامی ہو جائے۔ لیکن جسوقت تک انسان جذبات رذیلہ کی پرستش ترک نہ کریگا، جسوقت تک خود بینی، طمع و حسد کو بڑا پیمانہ اختیار کرنے پر اوصاف اخلاقی سے تعبیر کیا جاتا رہے گا، اُسوقت تک یہ جدید نظام تکلیفات انسانی کے لیے ایک جدید آلہ ہو گا، یا کم از کم یہ کہ اصلاح کے حق مین بالکل بے اثر رہیگا، اور چونکہ ابتک ہم کارآمد نظام کو اعلیٰ اخلاق سے تعبیر کرتے رہے ہین، اسلیے جہان کوئی نظام ناقص ثابت ہوا، ہمین اصول اخلاق ہی سے بے اعتباری ہو جاتی ہے۔

مین اسی لیے اپنے اعتقاد کی بنیاد کسی جدید نظام پر نہین رکھتا، بلکہ اُن اخلاقی غلاظتون کی صفائی پر رکھتا ہون، جن سے زہریلے بخارات پیدا ہوتے رہتے ہین، اور اسکے لیے ہماری نظر تلاش ہر قوم کے ایسے افراد پر پڑتی ہے، جو غور و فکر سے کام لینے والے ہون شریفانہ احساس رکھتے ہون اعمال صالحہ کے پابند ہون اسطرح دنیا مین اخلاق و صداقت کی منادی ہوتی ہے اس لیے کہ راستی پیدا ہو جانے کے بعد خود اپنی زندگی کا سامان کر لیتی ہے، اور اپنے راستہ سے خود بخود سب رکاوٹین دور کرتی جاتی ہے۔ صداقت اخلاقی اپنا راستہ ہتھوڑیون اور کلہاڑیون کی مدد سے

نہین بناتی۔ بلکہ مناسب زمین مین پڑے ہوئے تخمون کی طرح، اسکی جڑین زمین کے اندر اندر اور شاخین آسمان تک پہنچی جاتی ہین، اور یہ نقشہ کسی ماہر تعمیر کا بنایا ہوا نہین ہوتا۔ اس زندگی کی شرط صرف یہ ہے، کہ خیال، احساس، وارادہ مین پاکیزگی رکھی جائے۔ باقی چیزین ازخود پیدا ہو رہینگی۔

یہی باعث ہے، کہ جب مین جاپان مین میسو رچرڈ (مصنف "پیام امن") سے ملا، تو، مجھے تمدن کے مستقبل سے متعلق اس سے کہین زیادہ اطمینان ہوا، جتنا اُن بڑی بڑی تجویزون اور منصوبون کو سنکر ہوتا ہے، جو ارباب سیاست آیندہ امن عالم کے متعلق قایم کرتے رہتے ہین ہماری آیندہ نجات کا دارمدار کثرت تعداد یا ضخامت پر نہین، بلکہ صداقت پر ہے، جو ممکن ہے دیکھنے مین بہت حقیر معلوم ہو، جسوقت ہلاکت کی عظیم الشان قوتین جوش غضب سے بیخود ہو ہوکر اپنا کام کر رہی تھین، اُسوقت مین نے شہرت ذاموری کے دایرہ سے باہر الگ تھلگ اس فرنچ نوجوان کو پایا، جسکا چہرہ صبح سعادت کے انوار سے منور تھا، اور جسکی آواز مین حیات جدید کا تموّج تھا۔ اور اُسوقت مجھے یقین ہوگیا، کہ "طلوع سحر" کا وقت ہوچکا ہے، گو کسی سیاسی تقویم مین ہنوز اسکا اندراج نہین ہوا ہے،

رابندر ناتھ ٹیگور

۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء

حصہ اوّل

# باب اوّل

## نشۂ شب

اگر آج ہم راست گوئی پر آمادہ ہو جائین تو؟......اگر آج ہم اس عالم مکر و فریب مین صاف گوئی سے کام لینے لگین، اگر آج ہم بے کم و کاست واقعات ہی کے بیان کرنے پر تل جائین تو؟......

لیکن آخر اس سے ہم ڈر کیون رہے ہین؟ کیا جو لوگ تاریکی کو روشنی پر ترجیح دیتے ہین، وہ تعداد مین بہت زائد ہین؟ مکر و فریب کے اعمال اب انھین کے ہاتھون مین چھوڑ دینے چاہئین جنھون نے اسے اپنا پیشہ بنا لیا ہے، وہ لوگ بے شک کذب و حیلہ جوئی کے سہارے زندہ ہین، لیکن دنیا اسی سے ہلاک ہو رہی ہے، اور ہلاک ہوتے ہوتے اب وہ اس طرز زندگی سے عاجز ہو گئی ہے، وہ دن آرہا ہے، جبکہ دنیا مکر و فریب کے دام سے اپنے تئین چھڑا کر اپنی آزادی حق و صداقت مین تلاش کرنے لگے گی، وہ دن دور نہین، جبکہ نوعِ انسان بھیڑون کی طرح ذبح ہوتے رہنے کی زندگی سے اکتا کر ان لوگون کے زیرِ علم آ جائے گی جو حق و دیانت کو عزیز رکھتے ہین۔

حق و صداقت کی آواز توپون کی گرج نے ہر کان تک پہنچا دی[1] ہے، آج کوئی کان اس سے نا آشنا نہین، یہ اسی کا اثر ہے کہ حالتِ امن سے جن فریب کاریون پر پردہ ڈال

---

[1] توپون کے پیام کو حضرت اکبر رحمۃ اللہ نے اپنے مخصوص دلچسپ و دلنشین انداز مین کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے

اپنے عیبون کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے — غلط الزام بس اورون پہ لگا رکھا ہے

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام — یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

(م)

رکھا تھا، وہ سب ایک ایک کر کے مٹ رہی ہین۔

حالتِ امن نے اب تک گویا بڑی قومون کو چھوٹی قومون پر مطلق الاختیار ہونے کی سند جواز دے رکھی تھی، اور بڑی قومون کی اصطلاح مین قیامِ امن کے معنی یہ تھے کہ وہ بجائے باہم جنگ آزمائی کے جو بہرحال ایک پرخطر شے ہے کمزور قومون کو پامال کرتی رہین۔

واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ شغلہ ہمیشہ نہین جاری رہ سکتا، کمزورون سے جنگ جاری رکھنے کا بالآخر لازمی نتیجہ و ثمرہ یہی نکلنا تھا، کہ طاقتورون مین باہم آویزش شروع ہو جائے۔

عادلِ حقیقی کی مشیت یہی ہے۔ کائنات گویا ایک بند دائرہ ہے جس مین عمل و ردِ عمل کا قانون ہمہ گیر ہے، ہر عمل کے لیے پاداشِ عمل لازمی ہے "کہ کردو نیافت" کا اصول ہر جگہ جاری ہے، کوئی شے مٹنے نہین پاتی۔ ہر جبر ایک دوسرے جبر کی تخلیق کرتا ہے جس طرح ایک ابر کو دوسرے ابر کی طرف کشش ہوتی ہے، اسی طرح ہر قوت دوسری قوت کا باعث ہوتی رہتی ہے، اسی کا ثمرہ ہے کہ یورپ جو بلائین بارہا دوسرون پر نازل کر چکا ہے، وہ آج خود اس پر مسلط ہو رہی ہین۔ مصائب و نوازل کے یہ دَل بادل جو خود یورپ کے پیدا کردہ ہین، جن لوگون نے فضا مین ان کے اجتماع کا اندازہ نہین کیا تھا، وہ نابینا تھے۔

متحاربین مین سے کون سا فریق اس نقطۂ نظر سے اپنے تئین معصوم و بےقصور کہہ سکتا ہے؟ ان مین سے کس کے ہاتھ بےگناہون کے خون سے رنگین نہین ہ

اس وقت جتنی قومین سرگرمِ آویزش ہین، ان مین سے ہر ایک اگر بےتعصبی کے ساتھ اور خالی الذہن ہو کر غور کرے، تو ان تمام واقعات و حوادث کا، جو بالآخر اس جنگِ جہان سوز

جنگ ختم ہوئے، سرے بالکل منتفی ہو جائیں، ترتیب و تسلسل قطعی کے ساتھ اسے خود اپنے ہی اشکال مین نظر آسکے گا۔

مثال کے طور پر [illegible] کے معرکہ سیڈان کو لیجئے، کیا جنگ طرابلس اس کا لازمی نتیجہ نہ تھی؟ پھر کیا جنگ طرابلس، ٹرکی کو کمزور کر کے جنگ بلقان کا پیش خیمہ نہین ثابت ہوئی؟ اور پھر کیا جنگ بلقان، روس اور آسٹریا کے درمیان منافرت پیدا کر کے جنگ جہان سوز کا باعث نہین ہوئی؟

آج جو قومین بظاہر بے گناہ معلوم ہوتی ہین، حقیقتاً ان مین سے کوئی ایک بھی بے گناہ نہین، یہ سچ ہے کہ اس وقت بعض قوت و جبروت کو اپنا سب سے بڑا حربہ سمجھے ہوئے ہین، اور بعض حق و استحقاق کے نعرے لگا رہی ہین، لیکن زبانون پر خواہ کچھ ہی ہو، اہل نظر دیکھ رہے ہین کہ ہر فریق کے پنجہ شکار ہی کے تاک مین ہین۔

ان کے دعوون کو سنئے تو معلوم ہو گا کہ مظلومون کے حقوق کی حفاظت کرنے والون کی تعداد اتنی زائد شاید کبھی بھی نہ تھی۔ ہر فریق اپنا مدعا یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کے پنجہ سے کمزور و ناتوان قومون کو رہائی دلانا چاہتا ہے، پولینڈ کو آزادی دلانے کے روس و جرمن دونون یکسان بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہین، السیس، آیرلینڈ، سرویا، مصر، بلجیم، ہندوستان، ان سب کو آزاد کرانے کے بڑے بڑے زبردست وکلا موجود ہین، اور اس مین شبہ نہین کہ یہ وکلا، حریت ایک دوسرے کو قتل و ہلاک کر کے، واقعۃً ان مظلومون کی آزادی مین معین ہو رہے ہین۔

یہ ہے اس تمام شورش کا اصلی باعث، یہ ہے اس جنگ کی حقیقی علت، بعض قومین اپنے نفع کے لالچ مین بے شک جنگ کی خواہشمند تھین لیکن اس کی ذمہ داری، اور اس صورت حال کے پیدا کرنے مین جملہ اقوام ساری شرکت رکھتی ہین۔

یہ جنگ جہان سوز لازمی نتیجہ ہے سیاسی خودغرضیون اور ناجائز حب جاہ کی، تمدن بے طماعی و بد دیانتی کا، اور قیمت ہے تمام قومون کی شرمناک و منافقانہ انصاف کشی کی، اس لیے کہ آج تک یہ ساری قومین (بعض علانیہ اور بعض خفیہ) اپنے اپنے نفوس کے اندر ظلم و جبر و حرص و طمع کے عفریت کی پرورش کرتی رہی ہین۔

یہ جنگ اُن قومون نے برپا کی ہے جو ملک گیری کی بھوکی ہین، اُن قومون کے خلاف جنکی اشتہاے ملک گیری آسودہ ہوچکی ہے۔ ہر قوم کی اشتہا مساوی درجہ کی نہ تھی، ہر قوم کی قوت تغذیہ مین بھی فرق مراتب تھا، لیکن اس قوت کو ترقی دیتے دیتے بالآخر سب کا اجتماع ایک نقطہ پر ہوگیا، سطح زمین محدود تھی، کہان تک ان کے وسیع معدون کے لیے کافی ہوتی، جب اور کوئی باقی نہ رہا، تو اونھون نے آپس ہی مین ایک دوسرے کو اپنا طعمہ بنانا چاہا۔

روے زمین کو مسخر کرکے اونھون نے جو مال غنیمت فراہم کیا تھا یہ جنگ اس کی تقسیم کے لیے ہے، یہ دول عظمیٰ کی سب سے زشتیون اور بدتمیزیون کا یہ آخری سامان ہے۔

یہ جنگ وہ سامان عبرت ہے جو زمانۂ حال نے زمانۂ مستقبل کے لیے چھوڑ رکھا ہے تاکہ آیندہ دنیا کو معلوم رہے کہ ذلت و بربادی و ہلاکت کا راستہ کون سا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ اور بھی درس عبرت یہ جنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔

# باب دوم

## خمارِ صبح

یہ جنگ نہ صرف طبعی اسباب کی بنا پر ناگزیر تھی، بلکہ اخلاقی قوانین کے لحاظ سے بھی اس کا وقوع لازمی تھا، کہنا چاہیے کہ مشیت غیبی کا منشاء بغیر اس کے پورا ہی نہین ہو سکتا تھا۔

یورپ کی فضا پر مکر و کذب کی جو گھٹا چھائی ہوئی تھی، اس کے صاف کرنے کے لیئے لازمی تھا کہ فن احتیال سیاسی (ڈپلومیسی) کا پردہ فاش ہو۔

بڑی بڑی قومون کی بربادی لازمی تھی، اس لیے نہین کہ ایک ظالم قوم کے پنجہ سے نکل کر دنیا دوسری ظالم قوم کی گرفت مین آجائے، بلکہ اس لیے کہ دنیا کو ہوسناکی و ملک گیری کے عام استبداد سے آزادی نصیب ہو۔

ہمارے سر بفلک قصر تمدن کا، جو از سر تا پا تصنع و ریاکاری کی بنیادون پر قائم تھا، انہدام و انعدام ضروری تھا، تاکہ نوع انسان کی رفتار ارتقائی کو وحشیانہ جبر و ستم اور کمنداری کی بندشون سے رہائی حاصل ہو، اور انسانیت ترقی کا قدم بڑھا سکے۔

اس تلاطم کا ایک بار برپا ہونا لازمی تھا کہ جو قوتین اس کی آفرینش کا باعث ہوئی ہین انھین تزکیہ حاصل ہو۔

اس تندرو شورش کا وقوع لازمی تھا، کہ جدید عمارت کے لیے سطح ہموار ہو، اور ایک جدید زمین و جدید آسمان کی تخلیق ہو،

جنگ کے اصلی اسباب دبواعث یہ ہین نہ کہ وہ جن کے لیے فریقین مشغول آویزش ہین، ہر فریق "اپنی" کامیابی کا یقین رکھتا ہے، اور یہی نشہ شب کا خمار صبح ہے، یہ جنگ تو باہمی بربادی واستیصال کی ہے، اس مین کسی فریق کی فتح وکامیابی کے معنی ہی کیا ہین؟ جس قدر جان و مال کا اتلاف زیادہ ہوتا جاتا ہے جس قدر یہ جنگ مع اپنے شدائد ومہالک کے طوالت پذیر ہوتی جاتی ہے، اسی قدر کامیابی کا لفظ بے معنی ہوتا جاتا ہے۔

ابھی فریقین کو صدہا کامیابیان ہولین گی، جب جاکرایک مشترک شکست سب کے نصیب مین آے گی، جس فریق کا جتنا جی چاہے، اپنی فتوحات اور اپنی کامیابیون کی اشاعت کرے، دنیا مین اس کا غلغلہ برپا کرے اور ان کو مشتہر کرکے خوشیان منائے، تاہم اس سے وہ آنے والا وقت نہین ٹل سکتا، جبکہ یہ سب قومین خودکشی کرچکی ہون گی اس لیے کہ اس جہان سوز جنگ کا ہر روز، خواہ اس مین کسی فریق کو کتنی ہی کامیابی ہو مجموعی تباہی وبربادی کے وقت کو اور قریب لاتا جارہا ہے۔

دنیا پر غلبہ و استیلا کے دعوے اب کی باطل ہوکر رہین گے۔ اتنی پیشین گوئی تو ہر شخص کرسکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ قومون نے اپنی عادت قدیم کے مطابق اپنے منافع کے جو طامعانہ وحریصانہ اندازہ لگائے ہین وہ بھی اب کے پورے ہونے کے نہین۔

اس جنگ سے جو کچھ بھی فتوحات وکامیابیان کسی فریق کو حاصل ہون گی، وہ وہ نہین ہونگی جو انکی آرزوون کے مطابق ہون گی، بلکہ وہ ہون گی، جو ان قومون کی مجموعی بربادی کے باعث دنیا کے لیے پرمنفعت ثابت ہون گی۔

دول متحاربہ کی حکومتیں ایک طرف تو اپنی اپنی قوم کو اپنی کامیابی و فتحمندی کا سراب دکھا رہی ہیں اور دوسری طرف خود ان کا نفس اس سے بھی بڑھ کر اس دھوکے مین مبتلا ہے، کہ خاتمۂ جنگ پر پھر زمانۂ قبل جنگ کے حالات عود کر آئین گے، اور پھر وہی نفسیت جاری و ساری ہو جائے گی۔ وہ اس خیال مین مست ہو رہے ہین کہ اختتام جنگ پر پھر انھین اپنی رنگ ریون اپنے محبوب مشاغل سے محظوظ ہونے کا موقع ملے گا۔ وہ اس حماقت مین گرفتار ہین کہ جس طرح امن گزشتہ کل تک قائم تھا، وہی آیندہ کل پھر قائم ہو جائے گا۔ یہ خود فریبی بعینہ اسی درجہ و مرتبہ کی ہے کہ جیسے دور گزشتہ مین وہ برابر یہ سمجھتے رہے کہ اپنے تئین اس دَورِ ہلاکت سے محفوظ رکھ سکین گے، درآنحالیکہ وہ خود ہی اپنے طرزِ عمل سے اسکا سامان فراہم کرتے رہے۔

سو یہ نہین ہونے کا۔ ماضی و استقبال کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے سیل دریا اپنا رخ نہین پھیر سکتا، اور یہ جنگ ان نادانون کو جہان یہ چاہتے ہین وہان نہین لیجائے گی کیا وہ اس خیال مین ہین کہ وہ واقعات و حوادث جو اس وقت روے زمین مین زلزلہ پیدا کئے ہوئے ہین، مستقبل کے لیے بالکل عبث رہین گے؟ یا وہ عظیم الشان تجربہ جو اس وقت اقوام کو حاصل ہو رہا ہے، اس سے وہ غیر مستفید رہین گے؟ یا دوسرے اس درسِ عبرت سے بالکل غیر متاثر رہین گے؟ یا یہ سیل معاصی و جرائم یہ اقوام کا غسل خونین، یہ ظلم و شقاوت، یہ مظلومیت و بے بسی، یہ سب چیزین بالا بالا چلی جائین گی؟ کیا یہ سارے انقلابات محض اس لیے ہوئے ہین، کہ کل آیندہ ان لوگون کو اپنے

ان اعمال کی پھر فرصت حاصل ہو جائے، جن مین وہ کل گزشتہ تک مشغول تھے۔

خود فریبیون اور نادانیون کا زمانہ ختم ہو چکا۔ جو صلح ہونے والی ہے، وہ خود غرضیون پر مبنی نہ ہو گی، اس لیے کہ یہ جو باہمی جنگ چھڑی ہے، یہ جنگ جو دول عظمیٰ کے درمیان ہو رہی ہے، دراصل وہ جنگ ہے، جو سب سے ارفع و برتر قوت، ان کل قوتون کے خلاف مجموعاً کر رہی ہے۔

لیکن یہ جنگ جس طرح سب کے معاصی کا نتیجہ ہے، اسی طرح سب کی اصلاح و ترقی کا راز بھی اسی مین مضمر ہے، متحاربین مشیت الٰہی کے سامنے بے بس تھے، جس کا منشا ان سب کو سزا دینا تھا، ان مین سے بعض اسوقت حق و انصاف کی آڑ پکڑ رہے ہین مگر یہ بالکل بے سود ہے۔ وہی حق و انصاف جسے وہ ہمیشہ پامال کرتے رہے وہ آج خود انھین موت و ہلاکت کے غار مین ڈھکیل رہا ہے، اور اس جہنم سے انھین نجات اسی وقت مل سکتی ہے، جب وہ اپنی زندگی مین عدل و صداقت پیدا کرین۔

یہ جنگ کسی نہ کسی شکل کے ساتھ، یا اس جنگ کے بعد ایک سلسلہ جنگ کے ساتھ برابر جاری رہے گی، تا آنکہ بدکاری و تخریب کا وہ دیوتا جس نے اتنے دنون نفس بشری کے اندر نشو و نما پائی ہے، رحم کی التجا کرنے پر مجبور ہو جائے تاکہ اس کے مٹنے کے بعد باہمی خدمت و اعانت کا جدید دور پیدا ہو، نفرت و عداوت کا دیوتا اگر یون نہ سرنگون ہوا، تو یقیناً یہی شعلہ جنگ جو یورپ مین بھڑکا ہے، فرداً فرداً یورپ کے ہر ملک مین بھڑکیگا اور ممکن ہے کہ روئے زمین کا کوئی گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکے تاہم جب تک اسکا

مقصد پورا نہ ہونے گا، وہ برابر قائم رہے گا، اور وہ مقصد یہ ہے کہ قوموں کے دلون مین انسانیت کا درد، انسانیت کا احساس پیدا ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح کوئی قوت اس شعلہ کو بھڑکنے سے باز نہ رہ سکی، اسی طرح ابتک کوئی تدبیر اس کے بجھانے مین بھی کامیاب نہین ہو سکی ہے، تمام دنیا کا مصائب و نوازل مین گرفتار ہو جانا، بلا سبب اور بے معنی نہین ہو سکتا تھا،

واقعات و حوادث پر اس حیثیت سے نظر کیجئے، جب جاکر سمجھ مین آئے گا۔اسوقت خود غرضانہ و نفس پرستانہ تعصبات کا پردہ فاش ہوگا، اس وقت ...... اس شئے پر نظر پڑیگی جو نگاہون سے مخفی اور تمام ظواہر کے عقب مین ہے، اور اسوقت مستقبل کی وہ "حقیقت منتظر" منصۂ شہود پر آئے گی، جو اسوقت تک ماضی و حال کے مجاز مین مستور رہی ہے، اس مستقبل سے کیا مراد ہے ؟ وہ قوت یا وہ ذات جسکے بار قدم نے کرۂ ارض کے جسم پر لرزہ پیدا کر دیا ہے،

- ۱۹۱۶ -

# باب سوم

## حقایق فردا

طلوع فردا، یعنی تاریکئی شب کا طلوع سحر کی طرف بڑھتا ہوا ایک اور قدم، قعر مذلت سے بام ترقی تک لے جانے والا راستہ کا ایک اور زینہ، ہان راستہ کی وہ چڑھائی جسے انسانیت زخمی اور خون فشان پیرون کے ساتھ طے کر رہی ہے،

یہ طلوع فردا ناگزیر ہے، حقائق مستقبل پر نظر نہ عامیانہ رجائیت[1] رکھتی ہے، نہ عامیانہ یاسیت[2]، یہ دونون اپنی پست قامتی کے باعث پیش آیند واقعات کو نہین دیکھ سکتین مستقبل اتنے فاصلہ پر ہوتا ہے کہ وہان تک شخصی یا قومی خود غرضیون کی محدود نظرین پہنچ ہی نہین سکتین، دور دور کی چیزین صرف انھین کو نظر آسکتی ہین جو کسی بلند مقام پر استادہ ہوتے ہین

کل کیا ہوگا؟ غالباً کل جنگ ختم ہو جائے گی، لیکن کیا اس سے دنیا کے مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا؟ ہرگز نہین، بلکہ ان کے اشتداد مین اور اضافہ ہو جائے گا، شعاع نور کی جھلک نظر نہین آسکتی، تاوقتیکہ انتشار و ابتری حد کمال تک نہ پہنچ جائے، تا آنکہ فضا مین انتہائی تیرگی نہ چھا جائے، نامۂ اعمال کی سیاہی جب تک بالکل کامل نہ ہو جائے ظہور نور کا وقت

---

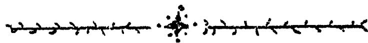
[1] "رجائیت" ترجمہ ہے Optimism کا، جو اس ذہنی کیفیت کا نام ہے، جس کی بنا پر انسان ہر شئے کے متعلق خوش آیند و مسرت آمیز توقعات رکھتا ہے۔ م

[2] "یاسیت" ترجمہ ہے Pessimism کا، جو رجائیت کی ضد ہے، یعنی وہ کیفیت ذہنی، جس مین انسان ہر شئے کو مایوسی و حسرت کی عینک سے دیکھتا ہے۔ م

نہیں آسکتا، اور ابھی اس تیرگی و سیاہی کا کامل و مکمل ہونا باقی ہے۔

یہ جنگ تو محض ایک مقدمہ یا تمہید ہے، اور اس کا خاتمہ، خواہ وہ کسی صورت میں بھی ہو، مقصود بالذات نہیں ہو سکتا، یہ تمہید جس متن کی ہے، اس کا آغاز اس جنگ کے خاتمہ پر ہوگا، وہ وہ واقعات و حوادث ہوں گے جو مقصد جنگ کی تکمیل کریں گے:

بے شبہ یہ بالکل ممکن تھا کہ کوئی سوء اتفاق ان واقعات کو ان کی پختگی تک پہنچنے سے قبل ختم کر دیتا، لیکن ایسا سوء اتفاق نہیں پیش آیا، اس لیے اب اُن واقعات کا رونما ہونا اسی قدر ناگزیر ہے، جیسے خود یہ جنگ تھی۔ وہ اس صورت حال کے منطقی و لازمی نتائج ہیں، اور جب کوئی قوت جنگ کے روکنے میں نہ کامیاب ہو سکی تو اس کے لازمی نتائج کو ظہور پذیر ہونے سے کون قوت باز رکھ سکتی ہے؟ ان نتائج میں سے بعض کی بابت ابھی قطعیت کے ساتھ حکم لگایا جا سکتا ہے، اور اس سے زیادہ وثوق و قطعیت کے ساتھ چلنا کہ اس جنگ کے خاتمہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔



یہ بالکل ممکن ہے، کہ جس طرح یہ جنگ بظاہر دفعتہً خود بخود چھڑی، اسی طرح یک بیک ختم بھی ہو جائے، اگر آسٹریا کے شہزادہ کا قتل اس جنگ جہان سوز کے آغاز کا باعث بن گیا، تو کیا عجب ہے، کہ اسی درجہ کا کوئی معمولی واقعہ غیر متوقع طور پر اس کے اختتام کا بھی باعث بن جائے۔

ساتھ ہی اس کا بھی امکان ہے کہ خاتمۂ جنگ کا جو مفہوم عموماً سمجھا جاتا ہے،

اس معنی مین جنگ ختم ہی نہو، اور بجاے نام نہاد حالت صلح کے جیسا کہ ابتک قائم تھی، ایک مستقل و پائدار حالتِ جنگ ہی قائم ہو جائے، جس مین ہر فریق ہر وقت دست بہ قبضۂ شمشیر رہے، جیسا کہ اس وقت بھی ہے،

غرض جو صورت بھی پیش آئے آنا بہر حال یقینی ہے، کہ اس جنگ کا خاتمہ مثل محاربات سابق کے نہ ہو گا، اور راس کا خاتمہ جب ہی ہو گا کہ موجودہ نظام معاشرت و تمدن ہی ختم ہو جائے، اس لیے کہ اس جنگ کا سلسلہ اس وقت تک یقیناً قائم رہیگا جب تک اس کا احتمال نہ مٹ جائے کہ موجودہ صورت حال پھر عود کر آئے گی،

جنون جس سرعت سے طاری ہوتا ہے، اس تیزی سے جاتا نہین، قضائے الٰہی جو اقوام یورپ کی بربادی کا فیصلہ کر چکی تھی، اس نے پہلے اُن لوگون کی عقلین خبط کر دین، جو جنگ کے آرزومند تھے، اور راسی قضائے الٰہی نے اب ان اشخاص کی عقلون پر پردہ ڈال رکھا ہے، جو لڑائی کو فتح مندی سے ختم کرنا چاہتے ہین، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان لوگون نے صلح کے خلاف ایک دوسرے سے معاہدہ کر کر کے اپنے اپنے ہاتھ خوب مضبوط کس رکھے ہین، اور راس طرح فریقین نے اپنا ایسا توازن قوت قائم کر رکھا ہے، جو ہر قسم کے صدمہ کی برداشت کر سکتا ہے، جابجا اس مین رخنہ پڑ سکتے ہین لیکن اس کا درہم و برہم ہونا دشوار ہے، اس کی زندگی عرصہ تک قایم رہ سکتی ہے،

اس کے علاوہ جون جون جنگ کو طوالت ہوتی جاتی ہے، اس کے مزید قیام کے اسباب بھی قوی ہوتے جاتے ہین، اس معنی مین کہ جو فریق اب تک کچھ کامیابیان

حاصل کرچکا ہے، وہ ڈر رہا ہے کہ کہین صلح ہوجانے سے اسے ان جدید مفتوحہ علاقون

سے دست بردار نہ ہونا پڑے؛ اور جنھین ابتک ناکامیابیان ہوئی ہین، وہ برابر اس

فکر مین ہین کہ ذرا اور جوانمردی دکھاکر ہاتھ سے نکلی ہوئی چیزین پھر واپس لےلین،

غرض غالب ومغلوب، قوی وکمزور دونون جنگ کے طلبگار ہین، اور اس طرح لڑائی

جتنی بڑھتی جاتی ہے، اتنا اُسکا خاتمہ اور دور ہوتا جاتا ہے!

تاہم ابھی تک ہر فریق کو اُمیدین اور تمنائین ہین، لیکن اگر ان اُمیدون اور

تمناؤن کی جگہ مایوسیان اور حسرتین لےلین، توکیا خاتمۂ جنگ کچھ بھی قریب ہوجائیگا؟

ہرگز نہین،



طوالت جنگ کے حق مین جو سبب سب سے قوی مانع ہوسکتا تھا، وہ اقوام کی اقتصادی

ناداری تھی، لیکن اقوام متحاربہ اس مانع قوی پر بھی بہ آسانی غالب آگئین۔

آغاز جنگ کے وقت متعدد ماہرین اقتصادیات نے پیشین گوئی کی تھی کہ جنگ

کی مدت چند ماہ سے زائد نہین رہ سکتی، ورنہ فریقین بالکل تباہ ہوجائین گے، ان

ماہرین فن کا اندازۂ حالات اقتصادی بالکل صحیح تھا، لیکن ان کا یہ خیال قطعاً غلط تھا

کہ تباہی وبربادی کا یقین ان اقوام کو سالہاسال تک مشغول جنگ رہنے سے باز رکھے گا

، انھین اختیار ہے کہ جتنی زور سے جی چاہے وہ یہ صدائین بلند کرتے رہین

کہ "صلح کرو ورنہ برباد ہوجاؤ گے"، لیکن ان آوازون پر کوئی قوم نہین کان رکھنے کی

صلح وجنگ کے انتخاب کا وقت اب انکے ہاتھوں سے نکل چکا ہے، تباہ و برباد تو تمام اقوام اچھی طرح ہو چکیں، اور جتنا ان کو احساس ہے اس سے کہیں زیادہ تباہی کی نوبت آچکی ہے لیکن یہ تباہی ہرگز انھیں عزائم جنگ سے باز رکھنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ بلکہ برعکس اس کے یہی تباہی انھیں اور زیادہ درازئی جنگ پر مجبور کر رہی ہے، ہر فریق کا جتنا زیادہ نقصان ہو رہا ہے، اسی تناسب سے وہ اور زیادہ جان پر کھیلنے کو تیار ہو رہا ہے،

یورپ کی حکومتیں جتنا زیادہ تباہی کے انتہائی سرے کے قریب ہوتی جاتی ہیں اسی قدر شکست پذیر قمار باز کی طرح ان کی جانبازی اور بڑھتی جاتی ہے، جب تک ان کے ہاں کچھ آدمی بھی جان دینے کے لیے موجود ہیں، ان کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل اپنی اپنی خندقوں کی حفاظت کے لیے برابر تیار ملیں گی، اس لیے کہ اب سوال محض جنگ کا نہیں، بلکہ ان کی زندگی و موت کا سوال ہے، وہ خوب جانتی ہیں کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی انھیں اپنی اپنی رعایا کے سامنے، نہ پوری ہونے والی آرزوں اور نہ ایفاء ہونے والے وعدوں کے متعلق جواب دہی کرنا ہو گی۔ ہر حکومت اس یوم احتساب کو ملتوی رکھنے کی فکر میں ہے، اور اس میں کامیاب ہوتی رہے گی، جب تک اس کی رعایا میں کچھ لوگ بھی اپنی جان دینے کے لیے آمادہ باقی رہیں گے،

طلوع فردا، ہر ملک کی غریب و مظلوم رعایا کی دادرسی کے لیے ہو رہا ہے

---

لیکن فرض کرو کہ اسی اثنا میں کسی حیرت انگیز حربی یا سائنٹفک ایجاد کی مدد سے

یا کسی خاص شیطانی تدبیر کے انکشاف سے، یا کسی غیر معمولی و غیر متوقع حادثہ کی بنا پر ایک فریق دوسرے کو مسخر کرے، تو بھی کیا جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا؟

یاد رہے کہ جب تک جنگ آفرین اسباب باقی رہین گے، اس وقت تک جنگ کا خاتمہ نہین ہو سکتا، وہ مرے گی اور اپنی نعش سوختہ سے پھر دوبارہ زندہ ہو گی۔ ایسی حالت مین صلح اگر ہوئی، تو وہ صلح نہ ہوگی، بلکہ محض مہلت سامان جنگ ہو گی، یہ وہ وقفہ ہو گا جسمین مزید محاربات کی تیاریان کی جائین گی، اور یہ محاربات غالباً ان کے درمیان ہون، جو کل تک ایک دوسرے کے حلیف اور زمرہ اتحادیئن مین تھے، تباہ شدہ و مسلح اقوام جس وقت باہمی حساب کرنے بیٹھتی ہین، اس وقت سے بڑھکر خطرناک وقت اور کوئی نہین ہوتا۔

پھر اتحادیئن کے علاوہ بھی دنیا مین کچھ اور مسلح و آمادہ جنگ قومین ہین، دنیا مین نفسانیت، انانیت، حرص و ہوس و دیگر جذبات سے بھری ہوئی کچھ اور قومین بھی ہین۔ یہ دول عظمیٰ کی برادری سے خارج، پست و مظلوم قومین ہین، جو ساعت انتقام کے انتظار مین ہین۔

فردائے موعود! اس کا طلوع انھین اقوام کے لیے ہوگا۔ جو چیزین آج فنا ہو رہی ہین، وہ اس روز سب ختم ہو چکی ہون گی، اور اس وقت سے دنیا گویا نیا قالب بدلے گی



# باب چہارم

## آہِ مظلومان

منازل ترقی کے طے کرنے مین نسل انسانی کے ساتھ اقوام یورپ کو وہی تعلق رہا ہے جو گلہ کے ساتھ پاسبان کتون کو رہتا ہے، ان اقوام نے سگان پاسبان کے فرائض پوری مستعدی وسختی سے انجام دیے، سست رفتارون کے لیے ان کے قلوب رافت و رحمت کے جذبات سے خالی رہے ہین، زندہ اجسام کے گوشت مین ان کے دانت خوب پیوست رہا کیے ہین، اور اگر اس جماعت سگان مین خود ہی باہم پھوٹ نہ پڑجاتی، تو ان کی قوت خونخواری کا معلوم نہین کیا انجام ہوتا۔

اگر یہ سگ طبع اقوام باہم متحد رہتین، تو تمام دنیا ان کے دام مین اسیر ہوجاتی، اقوام عالم کی قوت نشوونما گھٹ کر رہجاتی، اور سب کے قوائے عمل مضمحل بلکہ مفلوج ہوکر رہجاتے،

کیا ہم اس واقعہ کو بھول گئے ہین کہ ۱۹۰۰ء مین، پیکنگ (چین) مین ان "متمدن اقوام" کی افواج متحدہ نے جرمنی کی سرکردگی مین اپنی سبعیت وبہیمیت کے کیسے کیسے ثبوت دیے تھے، درآنحالیکہ آج انھین افعال واعمال پر وہ جرمنی کو لعنت وملامت کررہے ہین؟

اُس وقت اس کا امتحان تھا، کہ یورپ مین تمام دنیا پر حکمرانی کی کس حد تک اہلیت ہے، لیکن وہ اس امتحان مین ناکام ثابت رہا، شایستگی وتمدن کی خدمت اسکا نصب العین تھی، مگر اُسکی قوت اُس کے حق مین وبال ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوت شکست

ہونے لگی، اس مین رخنے پڑنے لگے، یہان تک کہ اس کا توازن قوت پارہ پارہ ہوگیا تاکہ دنیا کا توازن قائم رہے،



رفتار کائنات مین اقوام کی مثال کبھی اُس دست و بازو کی ہوجاتی ہے، جو وار کرتا ہے اور کبھی اس زندہ گوشت کی رہتی ہے جو تکلیف و کرب سے آہ کرتا ہے، ان مین باہمی فعل وانفعال کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے؛ اور اپنی اپنی نوبت مین ہر قوم آقا و غلام بنتی رہتی ہے[1]، "اپنی اپنی نوبت" کی قید اس لیے کہ کوئی قوم ہمیشہ آقا یا ہمیشہ غلام نہین رہ سکتی، نجات کا ایک نہ ایک دن سب کے لیے آتا ہے،

موجودہ جنگ بھی نجات و رہائی ہی کی جنگ ہے، البتہ ان الفاظ کا مفہوم وہ نہین جو متحاربین کے دلون مین ہے، یہ لوگ بعض چھوٹی قومون کی آزادی دلانے کے تو مدعی ہین اور حال یہ ہے کہ خود ان کے پنجۂ اسیری مین بڑی سے بڑی انسانی آبادیان پھڑپھڑا رہی ہین؟ ان مین سے ہر حکومت اپنے حریف کی شہنشاہیت و ہوس ملک گیری کا زور توڑنے کی فکر مین ہے اور اپنی طرف کوئی نہین دیکھتا، بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ جو قومین اپنی آزادی و خودداری کو سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہین، وہی دوسرون کی آزادی و خودداری کو پامال کرنے مین سب سے پیش پیش ہین،

یہ تو یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ یہ جنگ یورپ کی چھوٹی چھوٹی مفتوح قومون کو

[1] تلک الایام نداولہا بین الناس، م

آزادی دلادی، تاہم اس قدر بالکل قطعی ہے کہ ایشیا اور افریقہ کی بڑی بڑی مفتوح قومون کی آزادی وخاتمۂ اسیری کا زمانہ روز بروز قریب آرہا ہے،

کیا دنیا مین وہ بڑی قوم اپنی مستقل زندگی، اپنی آزاد زندگی کو مطلق عزیز نہین رکھتی جو عربی النسل ہے، اور عربی زبان بولتی ہے، اور جسے اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ ترکون کی ماتحتی ومحکومیت سے آزادی دلائی گئی ہے؟ ہان وہ وسیع قوم جسے نہ صرف اتحاد مرزبوم بلکہ اتحاد مذہب نے بھی بحر اوقیانوس سے لیکر بحر قلزم اور بحر قلزم سے لیکر خلیج فارس تک مایوسیون اور ناکامیون کے ایک رشتہ مین منسلک کر دیا ہے،

مصر، عرب، طرابلس، مراکو، وغیرہ کی تمام آبادیان صرف ایک لیڈر، ایک مرد بزرگ کے ظہور کی منتظر ہین جو آئے اور انھین ایک قوم بنا دے، ہر قوم مین ایسے لیڈر کا ایک نہ ایک دن پیدا ہونا لازمی ہے، وہ پیدا ہوتا ہے، اور پیدا ہوتا رہتا ہے، تاآنکہ اسے پوری کامیابی حاصل ہو جائے،

رہا ہندوستان، تو کیا وہ مادر ہند جس نے دنیا کی ہر قوم کی رضاعت کی ہے، کیا عنقریب وہ آزادی سے مستفید نہ ہوگی،

یہ تمام اقوام گو باہم کتنے ہی مختلف ہون، تاہم مظلومیت کے اشتراک نے سب کو متحد کر دیا ہے، قالب گو مختلف ہین، لیکن ایک ہی روح اس وقت سب مین کام کر رہی ہے، اور وہ روح کیا ہے؟ عظمت ماضی وآزادی مستقبل کا احساس، یہ جدید روح اس حقیقت کا علم رکھتی ہے کہ وہ روز سعید جس کا ایک صدی سے انتظار تھا، کل طلوع ہونے والا ہے،

اس یوم احتساب، اس روز نجات کی آمد کو ان طریقون سے روکنا بالکل لاحاصل ہے، کہ ان اقوام کی کتب مقدسہ کا مطالعہ ممنوع قرار دیدیا جاے، بھگوت گیتا کے مطالعہ کرنے والون کو نظر بند کر دیا جائے، اور ان کے ہان کے حکماء وقت کو جرائم پیشہ قرار دیدیا جائے، قسمتون کا فیصلہ جو ہونے والا ہے، ہو کر رہیگا، وہی ساعت، صبح سعادت کے اصلی طلوع کی ہوگی، اور سعادت تمام اقوام کے لیے،

اس کے بعد جو دور جدید قائم ہوگا، اس مین جوان عمر اقوام کو برابر اس کا احساس رہیگا کہ کم عمر قومون کے ساتھ تحقیر اور ضعیف العمر قومون کے ساتھ بیدردی کا برتاؤ کرنا درست نہین اس وقت کوئی کانگو، بلجیم کے ماتحت نہ ہوگا[1]،

---

یہ کیونکر ممکن تھا کہ یورپ جو تمام دنیا کو اپنی غلامی مین لا رہا تھا، خود اس کے ہان غلام نہ ہون، قدیم غلام تو تھے ہی، جدید غلام خود یورپ کی سرزمین پر بھی پیدا ہو گئے، کیا زمانہ کی نیرنگی ہے، کہ یہ جنگ جو آزادی کے لیے برپا کی گئی، اس کا پہلا اثر یہ ہوا، کہ جو قومین اب تک یورپ مین آزاد تھین، وہی غلامی کے دائرہ مین آگئین!

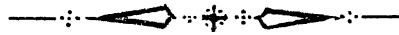
جنگ کا آغاز سرویا کی حمایت مین ہوا، لیکن سرویا کو اس حمایت و ہمدردی کی آڑ مین جن مصائب و مظالم کا ہدف بننا پڑا، کیا بغیر اس جنگ کے بھی اس کی قسمت مین یہی ہوتا؟ اوس کی گذشتہ تاریخ مین تو اس کی نظیر نہین ملتی،

---

[1] کانگو، براعظم افریقہ کا وہ علاقہ ہے، جو مدتون بلجیم کے شدید مظالم کا ہدف رہ چکا ہے، م

رحمت کی گھڑی ان گرفتاران جدید و قدیم سب کے لیے آئے گی، یہ گھڑی کس وقت آئے گی؟ اُسوقت نہین جب ان مظلومون کے باضابطہ ہمدرد انھین بیرونی غنیمون سے نجات دلائین گے، بلکہ اُس "طلوع فردا" کے وقت جبکہ یورپ کی ظالم و مظلوم تمام اقوام اپنے اُس اندرونی مشترک دشمن کے پنجہ سے رہائی پا چکین گی جس کی آج وہ سب غلام ہین،

وہ دن خاتمۂ جنگ کا اصلی دن ہوگا، اور اقوام عالم کے لیے یوم راحت و انشراح ہوگا! ایام حسرت کے بعد، یورپ کی بڑی چھوٹی سب قومین طلوع سحر امید کا جلوہ دیکھین گی،



# باب پنجم

## شام حسرت

یورپ کے اکثر ممالک مین انقلابات برپا ہونے والے ہین، یہ وہ خیال ہے، جو آج ہر دماغ مین اور ہر زبان پر ہے، اور حکومتین اگر اس سے ناواقف ہین، تو ان کی نابینائی مین کوئی شک نہین لیکن اگر یہ شئے ان کے علم مین نہ بھی ہو تاہم ان کے شعور خفی مین تو ضرور ہے، اور اسی لیے وہ ڈر رہی ہین۔ ان کے اعمال کو غور سے دیکھو تو ان کی خوف و دہشت کا صاف پتہ چل جائیگا"

اور یہ جو لڑائی مین اتنی زیادہ طوالت دی جا رہی ہے، اس کا ایک بہت بڑا محرک یہی اندیشۂ انقلابات ہے، حالانکہ جنگ کو جتنی طوالت ہوتی جاتی ہے، اسی قدر انقلابات کا وقوع اور بھی یقینی ہوتا جاتا ہے، اور ہر شئے اسی نتیجہ کی طرف لیے جا رہی ہے،

متحاربین کے ذہن مین کوئی مقصد ہو یا نہ ہو، لیکن جنگ بہرحال اپنی ایک غایت لیکر آئی ہے، اور یہ وہ مقصد ہے، جس کا حصول متحاربین مین سے کسی کو عزیز نہین تاہم وہ غایت پوری ہو کر رہے گی، وہ صاف و سادہ غایت یہ ہے کہ فساد کے کہنہ شجر کو بیخ و بُن سے برباد ہو جانا چاہیے، معاشرت اقوام کی قدیم بنیادین منہدم ہو کر ان کے بجائے ایک بہتر و صحیح تر تمدن کی بنیاد پڑنا چاہیے۔ یورپ کی تلوار خود اسی کے اوپر برابر چلتی رہے گی تاآنکہ ہر قوم کا قلب اس سے چھد جائے اور فساد کا وہ عفریت جو ہر قوم کے قلب کے اندر موجود ہے ہلاک ہو جائے،

مختلف اقوام کے درمیان صلح اسی طرح پر ہوسکتی ہے، لیکن یہ صلح یورپ کی اقوام اور حکومتون کے درمیان نہ ہو گی،

موجودہ حکومتین اگرچہ بجائے خود وہ امراض نہین، جن مین رعایا گرفتار ہے تاہم ان قومی امراض کے لیے وہ مظہر اور مادی قالب کا کام ضرور دے رہی ہین، ان امراض کی تجسیم و تشکیل حکومتین ہی کرتی ہین، اقوام کی پوشیدہ آواز ظاہر انھین حکومتون کے اعمال سے ہوتی ہے، اور قوم کو جس وقت اپنی حالت کا احساس ہوتا ہے، اور وہ تلافی مافات کرنا چاہتی ہے، اس وقت وہ ہر اس شئے کو جو اس کے دور سابق کی یادگار ہوتی ہے پارہ پارہ کر ڈالتی ہے۔ تحوّلِ دین کے وقت وہ جن اصنام، جن معبودانِ سابق کو ریزہ ریزہ کرنے لگتی ہے، وہ اگرچہ ذمہ دار و خطاوار نہین ہوتے تاہم ان کا پامال ہونا یقینی ہوتا ہی،

حکومتین اگر اس انتقام کی زد سے محفوظ رہنا چاہتی ہین، تو اس کی تدبیر صرف یہی ہوسکتی ہے کہ سب سے پہلے وہ خود ہی جدید صورتِ حال کو قبول کرلین، اقوام کی تکلیف و اذیت کے صحیح اسباب کا اعتراف کرلین، اور ان اسباب کا استیصال کردین لیکن کیا۔ یورپ کی کوئی حکومت اس اصلاح کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے؟ اور بالفرض کوئی حکومت اس پر آمادہ ہو بھی تو دوسری حکومتون سے جو سازباز رہتا ہے وہ کب اسے اس پر عمل کرنے دیگا؟

ایسی حالت مین بجز اس کے چارہ نہین کہ اقوام سر رشتۂ عمل خود اپنے ہی ہاتھ مین لے لین اور وہ یقیناً ایسا کرین گی، جس روز انھین آج کی خفیہ کارروائیون کا علم ہو جائیگا

اِس وقت تک انھین جس واحد صداقت کا علم ہوا ہے، وہ میدان جنگ مین موت وہلاکت کی صداقت ہے، اس کے علاوہ اب تک اُن سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ تمامتر مجموعہ اکاذیب ہے، اکاذیب متعلق بہ اسباب جنگ، اکاذیب متعلق بہ رفتارِ جنگ، اکاذیب متعلق بہ نتایجِ جنگ، اکاذیب متعلق بہ ماضی وحال واستقبال، اکاذیب جن کا پردہ ایک روز حق وصداقت کے ہاتھون فاش ہوکر رہے گا،

وہ وقت شامِ حسرت کا ہوگا، وہ وہ شام ہوگی جو موجودہ جنگ کے روز روشن کا خاتمہ کرکے ایک دوسری جنگ برپا کردے گی، یا اس جنگ کو دوسرے قالب مین منتقل کردیگی اور وہ جنگ یقیناً سب سے آخری جنگ ہوگی، وہ جنگ اُن اسباب کے خلاف ہوگی، جو باعث جنگ ہوتے ہین، وہ جنگ اُن حالات کے مقابلہ مین ہوگی جو آفرنیش جنگ کرتے ہین، ہلاک شدہ نفوس کے انتقام کا وہ وقت ہوگا۔ وہ شام، تمام ان چیزون کی زندگی کی شام ہوگی، جنھین جلد سے جلد فنا ہی ہونا چاہیے،

———<··:··>———

اگر صرف بدیہی واقعات وحقایق پر نظر رکھی جاے، تو بھی اس کے سوا اور صورت ہو کیا سکتی ہے؟

یورپ کی حکومتو! کیا تم آج جن فریب کاریون، شعبدہ بازیون مین آج اپنی اپنی رعایا کو مبتلا کیے ہوئے ہو، کل بھی ان پہ پردہ پڑا رہے گا؟ کیا جس وقت تمھاری یہ فریب وریاکاری کی تعمیر کردہ عمارت زمین پر آرہے گی، اور نتایج کھل جاینگے اسوقت بھی تم اپنی اپنی رعایا کی

آنکھون مین خاک ڈال سکو گی؟ آج وہ موت سے کھیل رہے ہین لیکن کل جب بساط جنگ الٹ جانے کے بعد وہ اپنے اپنے وطن آکر معیشت مین مصروف ہون گے کیا اس وقت بھی ان کی آنکھین نہ کھلین گی؟ اور پھر ان کا سامان معیشت کیا ہوگا؟ اور طرز زندگی کیا ہوگا؟

جس وقت ان خانمان بربادون کے خستہ و مضمحل قوی پر ایک ناقابل برداشت بار قرض ڈالا جائیگا کیا اس وقت بھی تم انھین دھوکے مین مبتلا رکھو گے؟ کیا ان کے اجسام مین جو کچھ بچا کھچا خون رہ گیا ہے جب وہ دیکھین گے کہ شدید ترین ٹیکس اسے بھی پسینہ کی شکل مین نکالے لیتا ہے، اس وقت بھی ان کے کان پر جون نہ رینگے گی؟ کیا آج جو ان پر ۵۰ ارب پاونڈ (ڈیڑھ کھرب روپیہ) کا بار ہو چکا ہے، کل یہی تعداد جب مضاعف ہو جائیگی، اس وقت بھی وہ نہ چونکین گے؟

یورپ کی حکومتو بتاؤ، آخر تمہارا انشا کیا ہے؟ کیا جس تودہ کے نیچے تم دبی جاتی ہو، یہ چاہتی ہو کہ تمہاری رعایا اگر اس کا بار سنبھال لے، اور تم بچ جاؤ؟ یا یہ کہ تم اور وہ دونون اس کے نیچے دفن ہو جائین؟ تمہاری جو کچھ بھی خواہش ہو لیکن تمہاری رعایا کے دل مین یہ ہے، کہ جس طرح تم اس کی لاشون کے ڈھیر کے اوپر کھڑے ہو کر رقصان ہو، اسی طرح تم سب بھی اسی تودہ کے اندر مدفون ہو جاؤ اور وہ تمہارے اس ہیبت ناک مدفن کے اوپر کھڑے ہو کر رقص مسرت کرے



کیا تم اپنی رعایا سے اس سیل بلا کا اصلی سبب حقیقی باعث ہمیشہ مخفی رکھ سکتے ہو۔ جو بجز تمہاری ہوس زر، تمہاری نہ بجھنے والی حرص دولت، تمہارے حب جاہ، تمہاری خود بینی،

تمھاری شقاوت اور تمھاری قساوت کے اور کچھ نہین ؟

انھین ایک روز یہ علم ہو جانا بالکل قطعی ہے، کہ اصلی زہر جو انھین اندر اندر ہلاک کر رہا ہے یہی ہے، اور جب زہر کو انھون نے دریافت کر لیا، تو انھین اس سے کون قوت باز رکھ سکتی ہے کہ وہ اسے جلد سے جلد اپنے جسم سے نکال پھینکین ؟

جب ان کی نظرون کے سامنے تمھاری وہ بین الاقوامی سیاسی بساط آجائے گی جس پر تم نے ہمیشہ ان کے جان و مال کو بطور مہرون کے استعمال کیا ہے، جب ان کے سامنے یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی، کہ جس شے کو حکومت کا لقب دیا گیا ہے، وہ محض ایک وہمی ہستی ہے، جو اپنے اغراض اور اپنی زندگی کے ضمانت نامہ پر ان کے دستخط خون سے کرا لیتی ہے، جب ان پر یہ تمام اسرار آشکار ہو جائین گے، کہ طرق حکمرانی ہمیشہ ذاتی اغراض و منافع کے تابع رہے ہین، شاندار و پر جوش الفاظ سے انھین جانبازی پر آمادہ کر کے ہمیشہ بعض افراد کے مالی کاروبار مین اضافہ مقصود رہا ہے اور مقتولون کی کثرت تعداد کے تناسب سے ارباب حل و عقد کی دولت و ثروت جاہ و حشم مین اضافہ ہوتا رہا ہے، وہ وقت !! آہ جس وقت یہ سارا طلسم باطل ہو جائے گا اُسوقت وہی غریب مخلوقات جو اس وقت کتون کی طرح للکار للکار کر باہم لڑائی جا رہی ہے، اُلٹ کر تمھارے اوپر جھپٹے گی اور تمھارے جسم کو نوچے گی اور پھاڑے گی، قومی خود غرضی و خود بینی کا وہ ہزار سر عقاب جو انھین اس وقت ہلاک کر رہا ہے، اس کے خلاف وہ سب مل کر جہاد پر آمادہ ہو جائین گے اور جب تک اس کی جان نہ لے لین گے چین سے نہ بیٹھین گے۔

<…●…>

غریب، ناواقف، بے خبر رعایا جو ہر فریب کا بہ آسانی شکار ہو جاتی ہے، وہ غلامون کا گلہ جسے قتل و غارت کے اکھاڑہ کی طرف ہانکا جا رہا ہے، ان مین سے کس کو لڑائی کی خواہش تھی؟ یہ لڑائی مین گئے نہین، بلکہ لے جائے گئے، جن پر انھون نے اعتماد کیا تھا، انھون نے انھین منافقت و منافرت کی زہریلی شراب پلا پلا کر مدہوش کر دیا، اور انھین دانستہ آگ مین جھونک دیا،

یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے جنگ مین شریک ہو گئے، اور اب جو ان کے آقا پچھلے دو سال سے ہزار ہا حیلہ تراشیان کر کے ان کی فلاکت کو دور کرنے کے مدعی ہو رہے ہین یہ سب لاحاصل ہے ان لوگون نے اب خود ان مسایل پر غور کرنا شروع کر دیا ہے، کہ آخر جب ہر ملک کی کثیر آبادی اپنے پر امن مشاغل مین مصروف رہنے کی خواہشمند ہے، تو انھین کون سر کے بل میدان جنگ مین ڈھکیل دیتا ہے؟ وہ کون حضرات ہین اور ان کا اس سے مقصود کیا ہوتا ہے؟ وہ کون حضرات ہین جو اپنے اخوان و ابنائے جنس کے قتل و ہلاکت کو اپنا مشغلۂ زندگی بنائے ہوئے ہین؟

اقوام عالم بغیر ان سوالات کے جوابات کو سمجھے ہوئے میدان جنگ سے واپس نہ آئین گی، اور کس قوم کے پیش نظر آج یہ سوالات نہین ہین؟ یہ تو قطعی طور پر ابھی نہین کہہ سکتے ہین کہ اس زندہ جہنم (جنگ) کے تجربہ کے بعد ان کی نفسیت کیا ہو گئی ہے، تاہم اتنا یقینی ہے کہ واپسی کے بعد یہ لوگ وہ لوگ نہ ہون گے جو جنگ مین داخل ہوئے تھے، اب یہ لوگ خواہ ملایک ہو کر واپس آئین یا شیاطین بن کر، لیکن بہر صورت وہ اس کے دشمن ہو کر آئین گے جس نے یہ بلا اُن کے سر ڈالی تھی، اور اسے پامال کرنے مین تامل نہ کرین گے،

انھین آخران لوگون پر رحم کرنے کی وجہ کیا ہے، جو خود رحم نا آشنا ہین ؟ اور جو اگر
زندہ بچ گئے تو آیندہ نسل کو پھر اسی طرح کی حالت امن کے بعد اسی طرح کی مہیب جنگ
اور اسی قسم کے جہنم مین ڈھکیلین گے،



# باب ششم

## صبح سعادت

یہ ہے جنگ کی حقیقت، یہ ہے وہ حقیقت جس پر اس تلاطم محشر اضطراب مین نظر پڑنی چاہیے، اور جس کا اعلان اس ہنگامہ دغلغلہ حوادث کے باوجود کرنا چاہیے،

اس جنگ مین اگر اصلاح مستقبل کی غایت پوشیدہ نہین، تو ماننا پڑیگا کہ یہ جنگ بے معنی ولاحاصل رہی،

ظاہر ہے کہ جنگ کا مقصود کسی فریق کی جانب سے سیاسی آزادی کی تحریک نہین ہوسکتی، اس لیے کہ ہر فریق کے ہان مساوی درجہ کی شہنشاہیت واستبداد کے نظایر موجود ہین، خواہ ان کا تعلق اندرون ملک سے ہو یا ہوس استعمار سے۔ "زار" (روس) کی مطلق العنانی کس منھ سے "قیصر" (جرمن) کی خودسری پر اعتراض کرسکتی ہے؟ جرمنی کا تشدد واستبداد کس منھ سے انگلستان وفرانس کی ہوسناکیون پر طعنہ زن ہوسکتا ہے،

اسی طرح ظاہر ہے کہ جنگ کی محرک کوئی مذہبی عصبیت نہین ہوسکتی، اس لیے کہ پروٹسٹنٹ، کیتھولک دونون فرقہ خود اپنے ہی ہم مشربون سے جنگ کر رہے ہین، اور مسلمانون کی کچھ تعداد ایک فریق کی شریک ہے اور کچھ دوسرے کی، غرض ہر مذہب خود اپنے ہی پیروون سے دست وگریبان ہو رہا ہے،

تو کیا نسلی تفریق کچھ اپنا کام کر رہی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ بالکل

غیر و اجنبی قومین تو ایک رشتہ اتحاد مین منسلک ہین اور آپس کی اور قرابت دار قومین ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی ہین ؟ اور دول متحاربہ کے سلاطین تو (بہ استثنار سلطان ترکی) سب ایک ہی خاندان کے ہین،

پھر کیا اقتصادی فوائد پیش نظر ہین ؟ یہ کیونکر ممکن ہے، درآنحالیکہ ہر شریک جنگ قوت کی بربادی یقینی ہے، اور ظاہری نفع اگر کسی کا ہے تو ناطرفدارون کا،

ان مین سے کوئی شے بھی نہ سہی، پھر آخر کیا جنگی روح کام کر رہی ہے ؟ اگر ایسا ہی، تو اس مہلک محاربہ کا، جس مین آخر وقت تک ہر فریق اپنی کامیابی کا مدعی رہے گا، صرف ایک ہی انجام ہونا ہے، یعنی سب کی شکست،



اصلی سبب کے لئے ذرا اور دقت نظر سے کام لینے کی ضرورت ہے، اُس ڈراما کے عقب مین جو اس وقت ہو رہا ہے، ایک اور وسیع تر ڈراما ہے، جو رفتہ رفتہ اسٹیج پر نمودار ہو رہا ہے، ہجوم مرئیات کے عقب مین یہ جنگ درحقیقت غیر مرئیات کی جنگ ہے، یہ وہ جنگ ہے، جو نظام قدیم خود اپنے اوپر کر رہا ہے اور خونریزی و غداری کی طاقتون کو ایک دوسرے سے الجھا کر ان سب کو فنا کر رہا ہے،

یہ منظر بھی قابل دید ہے کہ یورپ کو صدیون کی عظمت و اقتدار کے بعد آج مظلوم و محکوم قومون کی خدمت مین اپنے مظالم کا کفارہ کرنا پڑ رہا ہے،

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ شعلہ یورپ نے اپنے ہاتھون بھڑکائے ہین تاکہ ان کے

اندر سے گذر کر صفائی و تزکیہ حاصل کرے، اور اپنی موت کا خود سامان کیا ہے تاکہ فنا ہو کر قلب ماہیت کے ساتھ حیات تازہ حاصل کرے،

اُس یورپ کے ماورا جو اس وقت فنا ہو رہا ہے، ایک دوسرا یورپ بھی ہے جو سامان حیات فراہم کر رہا ہے، وہ ایک مبارک و بابرکت مستقبل کے لیے آج اپنی دولت و ثروت نثار کر رہا ہے اور اپنے خون کی قربانی دے رہا ہے،

اور اگر ایسا نہیں، تو یہ شام حسرت اس شب بلا کا مقدمہ ہے، جس کا ہر مردہ قوم اور ہر بیہودہ تمدن پر طاری ہونا لازمی ہے، ہاں وہ شب تار جس کی تاریکی موجودہ تاریکی سے کہیں زیادہ مہیب ہوگی،

اس دور انقلاب و تلاطم نے یورپ کے سامنے دو راستہ انتخاب کے لیے پیش کر دیے ہیں، اس کا جی چاہے تو قعر ذلت و پستی، نکبت و ادبار کے تحت الثریٰ کو قبول کرے اور یا گزشتہ زندگی سے تائب ہو کر اصلاح کی راہ اختیار کرے، جس شارع عام پر چلنے کا وہ اب تک خوگر تھا اسے دنیا کے زلزلۂ عظیم نے بند کر دیا ہے، اب ممکن صورتیں دو ہی ہیں، یا وہ صبح سعادت و عروج کی جانب صعود کرے اور یا شب شقاوت کی انتہائی تاریکیوں اور گہرائیوں میں گرنا قبول کرے!



صبح سعادت کا طلوع! مگر یہ صبح سعادت یوم گزشتہ کی بازگشت نہ ہوگی یہ روشنی وہ ہوگی جس سے یہ دنیا ابھی تک ناآشنا ہے، یہ وہ مستقبل ہوگا [illegible]

مستقبل ہمیشہ ماضی کا تتمہ ہی رہا ہے، لیکن ابکی جس وقت تک ظلمت ماضی کا شایبہ باقی رہے گا، صبح سعادت کا طلوع نہین ہو سکتا،

اس ظلمت سے باہر آنے والی سب سے پہلی کون قومین ہونگی؟ ممکن ہے یہ وہی قومین ہون جو اس ہنگامہ وفساد کی اصلی باعث ہوئی ہین، یا کم از کم وہ قومین، جو اس عام شکست وتباہی سے سب سے پہلے سبق حاصل کرین گی،

یہ تباہی وبربادی سب کے لیے عام ومشترک ہوگی، اس کا بار سب کو کچلتا رہے گا، تاآنکہ جو روح اس وقت سب مین کام کر رہی ہے، وہ نادم وتائب ہو۔ موت وہلاکت کا پنجہ برابر انہین اپنی گرفت مین رکھے گا تاآنکہ وہ اپنی زندگی کے لیے کوئی بہتر اصول، اپنے وجود کے لیے کوئی پاکیزہ تر قانون تسلیم کرین،

قومون کے سامنے جو مسئلہ ہمیشہ رہا ہے، وہی اب بھی رہے گا یعنی آیا وہ اپنی موجودہ حالت پر قائم رہین گی اور جو کچھ اس وقت گذر رہی ہے وہی گزرتی رہیگی، یا یہ کہ اپنے باطن کی گہرائیون مین اصلاح قبول کرین گی،

اصل مسئلہ یہ نہین ہے کہ طرز زندگی مین بعض سطحی تغیرات کر دئے جائین یا بعض خارجی [illegible] رونی شیوہاے کہن مین تبدیلیان کر دی جائین، تمام دنیا مین جو تلاطم برپا ہے اس کا مقصود یون نہین پورا ہو سکتا، کہ بعض سیاسی یا انتظامی تغیرات کر دیے جائین، یا آئین ملک [illegible] عہدیدارون کی فہرست مین جزئی ترمیمات کر دی جائین، قومون کی قسمتون کا رخ پھیر دینے کے لیے یہ چیزین کافی نہین.

اگر اشیاء مین تغیر نہ ہوا، تو محض اشخاص کے تبادلے سے کیا نتیجہ؟ اسی طرح اگر اشخاص اپنی اپنی جگہ پر بدستور قائم رہے تو اشیاء مین تغیر و ترمیم کر دینے سے کیا حاصل؟ اشیاء و اشخاص دونو کی روح مین تغیر پیدا کرنے کی اصل ضرورت ہے، ہر قوم کی روح کی قلب ماہیت اور سب کے قلوب مین ایک جدید نظام کائنات کا احساس پیدا ہونا لازمی ہے،

---

ہر قوم مین کچھ نفوس ایسے ہین جو عام اژدہام مین گم ہین، جن مین اس کائنات جدیدہ کا احساس ہے، ان کا تعلق گذشتہ صدی سے نہین، وہ گویا مستقبل کی پیداوار ہین،

یہ نفوس تعداد مین بہت ہی قلیل ہین، لیکن بہت سے ایسے ہین جو دوسرے ان کی پیروی کر رہے ہین اور روز بروز ان کے قریب آتے جاتے ہین، بہت سے افراد ایسے ہین، جن کی خود فریبیوں کا طلسم باطل ہو چکا ہے، اور جن کے دلون سے نفرت و بغض کے نقوش رخصت ہو رہے ہین۔ وہ اپنے اندر ایک غیر متوقع صبح سعادت کی ہلکی شعاعون کا نور پا رہے ہین، امتداد زمانہ کے ساتھ ان کی تعداد مین بھی اضافہ ہو رہا ہے، یہان تک کہ کل ہر قوم عبارت انھین افراد کی جماعت سے ہو گی،

اس قسم کے افراد کو باہم متحد ہو جانا چاہیے، ایسے افراد ہر قوم مین پائے جاتے ہین، جو ایک ہی روحانی مادر وطن کے فرزند ہین، ان سب کو اس مقصود کے لیے متحد ہونا چاہیے کہ اعضا شکستہ یورپ کو عمیق غار سے باہر نکالین۔ انھین اس غرض کے لیے متحد ہونا چاہیے۔ یورپ گزشتہ کے ڈھیر سے یورپ آیندہ کی تعمیر کرین، اور اگر یورپ جدید کو ابھی ان کی

صدا پر لبیک کہنے مین تامل ہو رہا ہے، تو انھین چاہیے کہ اپنے پیغام اعظم کی تبلیغ ان ممالک مین کرین جہان اب بھی خلوص کا وجود باقی ہے، آفتاب صبح سعادت کے آگے ڈنڈوت مشرق ہی مین کرتے رہنا چاہیے، تا آنکہ اس کی شعائین مغرب کو منور کر دین،

ہر قوم مین کچھ افراد ایسے ہوتے ہین، جن کا تعلق کسی ایک مخصوص قوم سے نہین ہوتا۔ وہ نوع انسانی کے خدمتگزار ہوتے ہین، وطنیت کے فرض سے بڑھکر وہ انسانیت کے فرض کو تسلیم کرتے ہین، نوع انسانی اس وقت اپنی محنت کے صلہ کے لیے اور اپنی مظلومیت کی دادرسی کے لیے انھین اشخاص کی طرف آنکھین لگائے ہوئے ہے،

کہان ہین یہ افراد، اب اٹھین، اور دنیا کے سامنے قانون عدل کی منادی کرین جس طرح یہ قانون خاندانون کے درمیان عامل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح آیندہ اس قانون کو اقوام کے باہمی تعلقات پر بھی حاکم رہنا چاہیے یہ قانون جس طرح ایک قوم کے مختلف افراد کے درمیان امن و آشتی قایم رکھتا ہے، اسی طرح سے دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان عامل ہونا چاہیے، ان سب کو متحد ہو کر ایک سطح انسانی مرتب کرنا چاہیے۔ یہ آگے بڑھین اور ماضی کے عہد اور مستقبل کی تمنا کو پورا کر دکھائین، اس وقت تمام امم سابقہ و آتیہ، تمام اگلی اور پچھلی نسلون کی نظرین اسی موجودہ نسل پر پڑ رہی ہین، صدیون کی آرزوے دیرینہ کا پورا کرنا اسی موجودہ نسل کے ہاتھ مین ہے، اور اس عظیم الشان تلاطم کے بعد جس کی نظیر تاریخ عالم مین نہین ملتی، وہ "آرزوے دیرینہ" کیا ہے؟ وہ آرزو اس صبح سعادت کے طلوع کی آرزو ہے جس کی روشنی اب تک کبھی عالم انسانی پر نہین پڑی ہے،

# حصۂ دوم

## باب (۱)

## قانونِ اقوام

خوشی سے ہو یا ناخوشی سے، بہرحال صورت واقعہ یہ ہے کہ تمام قومین روے زمین پر مل جل کر آباد ہین، اور ہر قوم مجموعہ انسانیت کی ایک فرد ہے، جو اپنی ایک مستقل شخصیت اور جداگانہ ہستی رکھتی ہے،

بدقسمتی سے ان اجتماعی ہستیون کے نفس نے ابھی حیات و شعور بہیمانی سے آگے ترقی نہین کی ہے، ان کی باہمی معاشرت اب تک ایک جماعت کی صورت پیش کر رہی ہے، مگر کس کی جماعت؟ افراد انسانی کی نہین، بلکہ وحشی جانورون کی، ان مین جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہین ان کی حیثیت شکاری جانورون سے زائد نہین،

یہ حقیقت اپنے اندر ایک خاص معنی رکھتی ہے، کہ ان قومون نے جو اپنے اپنے نشانات اور پھریرے مقرر کیے ہین، وہ خونخوار حیوانات ہی کے ہین[۱]، مثلاً شیر، عقاب، ریچھ، تیندوا، یا ایسے جانور جو قوت مین کم سہی، تاہم جنگجوئی مین کمتر نہین، مثلاً مرغ،

اسوقت تک جو قانون، اقوام کے باہمی تعلقات پر عامل رہا ہے، وہ درندون کا قانون ہے، یعنی طاقت کا قانون، یا جنگ کا قانون۔

---

[۱] برطانیہ کے جھنڈے پر شیر کی تصویر ہے، جرمن کے جھنڈے پر عقاب کی، روس کے علم پر ریچھ کی، ام

وقت آگیا ہے، کہ اب یہ اجتماعی ہستیاں حیوانیت کی سطح سے گزر کر انسانیت کے مرتبہ پر آئین اور انسانی اخلاق پر عمل کرین،

---

افراد اور اقوام کے لیے قانون اخلاق ایک ہی ہے، ہر قوم کو اپنے تیئن اسی نظام اخلاق کا پابند رکھنا چاہیے، جس کی پابندی کی توقع وہ افراد سے رکھتی ہے، جو شے فرد کے لیے جرم کا حکم رکھتی ہے، وہ ملک و قوم کے لیے بھی جرم قرار پانا چاہیے، خود غرضی، حرص و طمع، غصب اموال، تشدد، اور قتل، اگر افراد کے لیے شدید ترین معاصی ہین تو جماعت و قوم کے لیے بھی ان افعال کو مساوی درجہ کے معاصی قرار دینا چاہئے، آخر قومی شرافت کا معیار شخصی شرافت سے مختلف کیون ہو؟ اور اگر کوئی قوم قتل و غارت، بدعہدی و تشدد سے علانیہ اپنی بے عزتی و پستی کا ثبوت دے چکتی ہے، تو کیا اسلحہ کی مدد سے وہ عزت و بلندی قائم رکھ سکتی ہے؟ جسطرح فرد کی عزت اس کی طاقت جسمانی پر مبنی نہین، اسی طرح قوم کی بھی نہین ہو سکتی، فرد و قوم دونون کی عزت کا اصلی معیار یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت کو کیونکر اور کن مواقع پر استعمال کرتی ہے؟ عزت دولت پر مبنی نہین، بلکہ اس کا صحیح معیار یہ ہے کہ دولت کا حصول و صرف کیونکر ہوتا ہے، عزت کے معنی یہ نہین کہ دوسرے ہمارے محکوم ہون، بلکہ یہ کہ خود ہمارا نفس ہمارا محکوم ہو، عزت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان مین عظمت نفس اور دوسرون کی تعظیم و تکریم ہو،

باعزت افراد ہر قوم مین موجود رہتے ہین، باایں ہمہ ہر قوم اپنی بے عزتی و ذلت اپنے ہاتھون کرتی رہتی ہے، آخر کس دن قومون کو اس کا احساس ہو گا، کہ جو چیزین انہین

ذلیل و پست کرنیوالی ہین، ان پر وہ فخر کر رہے ہین،

---

فرد کے لیے اخلاق نے قانون یہ مقرر کیا تھا کہ اسے وہ عمل کرتے رہنا چاہیے جس کی نظیر کو سب قبول کر سکین، یہی ضابطہ اخلاق قوم کے لیے بھی ہونا چاہیے، گویا قوم کو ایسے ہی اعمال کرتے رہنا چاہیے، جو افراد کے لیے قابل تقلید ہون،

اگر اس اصول کی صحت سے انکار ہے تو کس حق سے ہر قوم اپنے ہان کے مجرمون کو قابل تعزیر قرار دیتی ہے؟ اور پھر سے کسی کو مجرم ہی قرار دینے کا اسے کیا حق ہے؟ کیونکہ یہ نام نہاد "جرایم" تو وہی ہوتے ہین، جن کا ارتکاب قوم علانیہ کرتی رہتی ہے، حب جاہ، خود غرضی، ریاکاری، غصب اموال وغیرہ ہر قوم جو خود ارتکاب جرایم کرتی رہتی ہے، اس کی مستحق ہوتی ہے کہ اسی تناسب سے اس کے ہان جرایم پیشہ افراد کی تعداد ہو،

دنیا مین اس کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے، کہ کوئی باشندہ ملک اپنے ملک سے زیادہ دیانتدار ہو! پھر آخر یہ کیا ہے، کہ افراد ان جرایم کی سزا بہ خوشی قبول کر لیتے ہین، جن کا ارتکاب ... کا ملک و وطن علانیہ و فخریہ کرتا رہتا ہے! اور ملک و وطن کو کیون کہا جائے زیادہ صحیح ... یہ کہنا چاہیے، کہ جن افعال کا ارتکاب طبقہ حکمران، وطنیت و فواید قومی کا نام لے کر برابر کرتا رہتا ہے، انھین رعایا اپنے لیے جرایم کس بنا پر قبول کرتی ہے؟

تقلید و اتباع کے لیے خود سلطنت کو اپنا اُسوہ حسنہ پیش کرنا چاہیے، اگر کمزور پر طاقت آزمائی کرنا، اور غیر مسلح پر ہتیار اٹھانا ایک فرد کے لئے ننگ و کمینگی ہے تو یہی

فتویٰ: قوام کی ان حرکتون پر کیون نہ صادر ہونا چاہیے،

اگر اپنے ہمسایہ پر جاسوس بنے رہنا، اپنے میزبان سے بدعہدی کرنا اور اپنی بات کا ذرا پاس نہ کرنا، افراد کیلئے کم ظرفی و ذلت کا موجب ہے، تو اقوام کو ان حرکتون کے بعد ان القاب سے کیون مستثنیٰ رہنا چاہیے؟

اگر تحریف یا خداع سے نفع حاصل کرنا، یا کسی کا مال غصب کر لینا، افراد کے لیے ناجائز ہے تو اقوام کے لیے ان حرکتون کا جواز کہان سے ثابت ہو جائے گا؟

ہر فرد پر بشرطیکہ وہ اپنے ملک و وطن کا درد رکھتا ہے، واجب ہے کہ اس طرح کے اعمال و افعال سے اپنا دامن ہمیشہ الگ رکھے، اور ان کے ارتکاب یا اعانت کسی شے مین کسی طرح نہ شریک ہو، خواہ اس کے سامنے منصب سفارت ہی کی رشوت کیون نہ پیش کی جائے،

وطنیت یا وطن پرستی کا نام آج ہر شخص کی زبان پر ہے: اور یہی ہونا بھی چاہیے، لیکن وطنیت کو معزز و بلند کرنا چاہیے، اس کے مرتبہ مین دناءت و پستی نہین، بلکہ شرافت و بلندی پیدا کرنا چاہیے، ورنہ اس وقت تو عموماً وہ ایک پست و ذلیل شے ہے،

ہر فرد کو مادر وطن سے محبت کرنا چاہیے، لیکن کون شخص ہے جو پسند کرے گا کہ اسکی مان ظالم و شقی القلب، یا دروغ گو و سارق ہو

برایں ہم آج ہر ملک میں ایسے مدعیان حب وطن موجود ہیں، جو اپنے ملک کی کامیابی و عظمت کا سب سے زیادہ احساس اس وقت کرتے ہیں، جب ان کی مادر وطن دوسروں کے مقبوضات و علاقہ جات پر غاصبانہ قبضہ کرلیتی ہے، یا کمزوروں کو قتل و غارت کرچکی ہوتی ہے، اور پھر ان آبادیوں کو جن کے پاس کافی قوت اسلحہ موجود نہیں اپنے حلقہ غلامی میں لے آچکتی ہے، ان "محبان وطن" ان ارباب حل و عقد قوم کے چہرہ اس وقت فخر و مسرت سے چمکتے ہوتے ہیں، جب کہ ان کی مادر وطن ان جرایم کا ارتکاب کرچکی ہوتی ہے جو اگر خود ان کی اولاد سے سرزد ہوئے ہوتے، تو مارے شرم و غیرت کے وہ کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہ رہتے!

سچی محبت وطن کا یہ ہرگز مفہوم نہیں، سچی وطن دوستی ہرگز یہ نہیں، کہ شکاری کتوں کی طرح برابر اہل وطن کو دوسروں پر حملہ آور ہونے کے لیے للکارا جاتا ہے، اور نہ یہ ہے کہ جب وہ نیا شکار منھ میں دابے ہوئے واپس آئیں تو ان کی پشت پر تھپکیاں دی جائیں،

حقیقی محبان وطن کی شناخت یہ ہے کہ جن افعال سے دوسروں کے جذبہ فخر و غرور کو تحریک ہوتی ہے، ان پر ان کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں، ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا ملک جب کوئی ناجائز نفع حاصل کرتا ہے، تو ان کے آنسو نکل آتے ہیں، ان افعال سے ان کی نظر میں وہ برتر نہیں بلکہ مفلس تر ثابت ہوتا ہے، جو حقیقی حسن و ثروت سے معری اور محض افلاس اخلاقی کے چیتھڑوں سے ملبوس ہے،

یہ سچے محبان وطن کہاں ہیں؟ انھیں اپنے مادر وطن کے ساتھ اس درجہ محبت ہونی چاہیے کہ یہ اس میں کسی قسم کی خامی یا لغزش گوارا نہ کرسکیں، اس کی پستی و ذلت کی کوئی

بات ہی بر داشت نہ کرسکین، اور میدان جنگ کے گرد وغبار کے ساتھ اس کے چہرہ پرخون کی چھینٹین اڑکر پڑنا کسی حالت مین بھی نہ قبول کرین،

یہ اصول بالکل بدیہی و ابتدائی ہین، ان موٹے موٹے ضوابط اخلاق پر غامض مسائل کی طرح غور وخوض کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ ہم ابھی دور توحش مین ہین تاہم اصلاح کا آغاز بالکل ابتدا سے کرنا چاہیے، اور ترقی کا سنگ بنیاد رکھنا چاہیے، اس شاہراہ پر پہلا قدم آج ہی پڑنا چاہیے،

جو تعلق فرد کو خاندان سے ہوتا ہے، خاندان کو شہر سے، شہر کو صوبہ سے اور صوبہ کو ملک سے، وہی تعلق اب ملک کو مجموعۂ ممالک (دنیا) سے ہونا چاہیئے، ملک کو صرف اپنی ہی زندگی کی نہین بلکہ اس سے زاید کی بھی پروا ہونا چاہیے، افراد و اقوام دونون کے لیے یہی اخلاق کا صحیح قانون ہے، اور یہی فلاح ونجات کا سیدھا راستہ ہے،

یورپ کو تو سبق مل چکا ہے، لیکن آیندہ سے ہر قوم کو یہی سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ نجات کے اس راستہ کے علاوہ باقی جتنی راہین ہین، وہ سب بربادی وہلاکت کی طرف لے جانے والی ہین،



# باب ۲
## فریضۂ اقوام

فرد و قوم کی عظمت ہمیشہ اس نصب العین کی عظمت کے متناسب ہوتی ہے، جو اس کے پیش نظر ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے مطابق عملدرآمد بھی ہوتا ہو، یہ شرط اس لیے ضروری ہے، کہ نصب العین عموماً محض ایک زبانی دعوے کا نام ہوتا ہے اور عملدرآمد اس کے برعکس ہی ہوتا ہے،

اس دنیا کا جو اس وقت فنا ہو رہی ہے، نصب العین کیا تھا؟ جہان تک زبانی دعوونکا تعلق ہے، اس سے زیادہ شریفانہ اصول سے دنیا کی تاریخ نا واقف ہے "حریت" "عدل"، "سائنس"، "ترقی"، "تمدن"، یہ الفاظ ساری فضامین گونج رہے تھے، لیکن اگر عمل پر نظر کیجئے تو اب سے پست تر قعر انحطاط مین بھی دنیا کبھی نہ تھی،

ان قومون نے جو اپنی عظمت کی مدعی ہین، "حریت" سے متعلق اپنا عمل کیا رکھا؟ یہ کہ اسے صرف اپنے لیے مخصوص و محدود کر لیا، اور جن قومون کی زبانون پر سب سے زیادہ ترانہ حریت رہتا ہے، وہی عملاً دوسرون کی حریت سلب کرنے مین سب سے پیش پیش رہتی ہین، ان کی اصطلاح عمل مین گویا آزادی کے معنی یہ ہین، کہ انھین ساری دنیا کو اپنی غلامی مین لانے کی "آزادی" حاصل رہے،

"عدل" کا دعویٰ انھون نے کیونکر نبا ہا؟ یون کہ اپنے مقاصد و اغراض کو ہر طرح

محفوظ و مضبوط کر لیا، اور دوسرون کے حقوق کے جواز و عدم جواز کا معیار محض مدارج قوت کو قرار دیا،

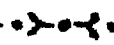
"سائنس" سے انھون نے کیا کام لیا؟ یہ کہ اسے اپنی ہوسناکیون کا آلہ بنا لیا اور تاریخ مین اپنے متعلق یہ فقرہ ثبت کرا دیا، کہ انھون نے بہت کچھ علم حاصل کیا، لیکن اسے برائی ہی مین صرف کیا،

"ترقی" کے انھون نے کیا معنی لیئے؟ ایک قالب بے روح، اور ان کی خود غرضیون اور جذبۂ حب جاہ کی تسکین کا ایک مادی آلہ،

"تمدن" سے انھون نے کیا مراد لی؟ دھوکے کی ٹٹی، فریب و ریاکاری کا ایک جال اور ان کے اسلحۂ آتشین کے استعمال کے لیے ایک سند جواز،

"انسانیت" کا انھون نے کیا مفہوم قرار دیا؟ جلب منفعت کی منڈی، سود خواری کا کاروبار، کمزور و ناتوان قومین بھی گویا جایداد منقولہ تھین، کہ جب جی چاہا بہ آسانی ان کا بیع و شری کر دیا، یا مویشی تھے کہ اپنی غذا کی ضروریات کے لیے انکی پرورش کرتے رہے،

انھین بد اعمالیون کا یہ نتیجہ ہوا، کہ ان مقدس الفاظ کا نور قتل و خون کے سرخ شعلون مین تبدیل ہو گیا



اب تک قومون کا نصب العین حصول اقتدار رہا ہے، مگر یہ نصب العین ہمیشہ پست رہا، اس لیے کہ اس اقتدار سے محض مادی اقتدار مقصود تھا، جو شئے شمار و حساب مین نہ آسکتی وہ کسی شمار و قطار مین نہ تھی،

یہ لوگ اس تمنا مین رہے، کہ قوت و ثروت کے ذریعہ سے عظمت و اقتدار حاصل کرین، ہان وہ قوت جو روپیہ کے زور سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ روپیہ جو قوت کی مدد سے حاصل

ہو، انھون نے اپنے مقبوضات کی وسعت وکثرت کی بنا پر بڑائی حاصل کرنا چاہی، اس خیال سے
کہ مقبوضات کی تعداد، قوت وثروت دونون پیدا کرتی ہے، یہی سمجھ کر انھون نے اپنے مقاصد
اپنے اغراض پر ہر شے کو قربان کرنا شروع کیا، یہان تک کہ بالآخر اپنی جانون کو بھی قربان کردیا،
"تسخیر ممالک وحکمرانی اقوام" ان دو لفظون مین ان کے سارے پروگرام کا خلاصہ تھا،
اور اس کے مطابق انھون نے پورا عمل کیا، یہان تک کہ پورے کرۂ ارض کو انھون نے
باہم تقسیم کرلیا، اس کے بعد پھر کیا شے باقی رہ سکتی تھی؟ ہان ایک شے تھی یعنی حصہ
دارون کی تعداد کم کردی جائے، اور ہر حصہ دار دوسرے کا حصہ بھی خود ہی لے کر
پیشتر کے مقابلہ مین بہت بڑا ہو جائے، چنانچہ اس وقت یہی ہو رہا ہے،

جس وقت تک دنیا مین ایسی قومون کا وجود باقی ہے، جن مین حدود مادی کی توسیع
کی اسی قدر ہوس وآرزو ہے، وہ ایسا کرتی رہین گی، یہان تک کہ اگر سب مٹ مٹا کر کل
دو ہی قومین باقی رہ جائین، تو ان کی بھی ایک دوسرے کو فنا کردینے کی کوشش اسی طرح جاری رہیگی
مگر کیا یہ حال کا تجربہ ان کی آنکھین کھولنے کے لیے کافی ہے؟ کیا یہ سبق ہمیشہ دہرایا جاتا رہیگا؟
دنیا مین اب تک کتنی متمول، پرقوت، وفاتح سلطنتین گزرچکین ہین، جن کے مٹے ہوئے آثار پر
موجودہ قومون نے بھی گرم خرامی کی کوشش کی، کیا اب ان کی سمجھ مین آجائے گا کہ حب مال
وطمع زر کا یہ اندھا جوش انھین کہان لیے جا رہا ہے،

یہ دنیا جو اس وقت فنا ہو رہی ہے، اس نے اقلیم مادہ کی تسخیر کی، یہان تک کچھ مضائقہ
نہ تھا، اقلیم مادہ کو بھی انسان کے تصرف مین رہنا چاہیے، لیکن چونکہ اس دنیا نے ...

نظر اسی عالم مادیات کو بنالیا، اور اس خاکدان مادی کے دایرہ سے قدم بڑھانا گناہ سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی کی ٹکر نے اسے چکنا چور کر دیا، فطرت کا مقصد یہ تھا کہ قومین اپنا قدم آگے بڑھائین اور بلند تر مرتبہ پر پہنچین، چنانچہ اب بھی جو قومین فطرت کے اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہون گی، انھین کے بچنے کی امید ہوسکتی ہی،

---

عظمت کا صحیح معیار رقبہ کی وسعت نہین حقیقی عظمت مادی پیمایش و مساحت کی شئے نہین۔ نشو و نما بے شک قومون کا نصب العین ہونا چاہیے لیکن یہ نمو بلندی مین ہونا چاہیے، نہ کہ طول و عرض مین۔ بالیدگی اس خطۂ زمین مین نہین جو کسی قوم کے زیر نگین ہوتا ہے، بلکہ ان افراد مین ہونا چاہیے، جن سے قوم مرکب ہوتی ہے۔ اضافہ ان افراد کی تعداد مین نہین، بلکہ ان کی قیمت، ان کی وقعت ان کی حیثیت مین ہونا چاہیے، سب سے بڑا ملک وہ ہے جس کے حدود خواہ وسیع ہون یا مختصر، مگر جس مین انسانیت حد کمال کو پہنچی ہوتی ہے،

کون شخص ایسا ہے، جو اپنی سکونت کے لیے ایک نہایت مختصر مگر شریف الاخلاق و پرسکون ملک کو ہماری موجودہ وسیع و عظیم الشان اور پر آبادیان رکھنے والی سلطنتون پر نہ ترجیح دے گا ؟ کون شخص ایسا ہے جو فلاطون کے ایتھنز[1] (اثنیہ) کو عہد

[1] فلاطون کے زمانہ تک یونانی حکومت، چھوٹی چھوٹی ریاستون پر مشتمل تھی جن کا رقبہ ایک ایک شہر کا ہوتا تھا، ان مین سب سے زیادہ مشہور ایتھنز کی ریاست ہی یہ وہی شہر ہی، جو آج یونانی سلطنت کا پایہ تخت ہے، م

کلیگیولا[1] کے رومہ پر ترجیح دے گا،

لیکن قومون کا مطمح نظر جس طرح رقبہ و وسعت حدود نہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح مال و دولت بھی نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ ترقی وکمال کا حقیقی معیار زر ومال نہین، قوم کی اصلی دولت وہ سونا نہین جو چمکتا ہے، بلکہ اس کے افراد کی وہ خوش دماغی ہے جو سارے عالم کو منور کرتی ہے، قومی تمول کا معیار یہ ہے کہ وہ دوسرے کے سرمایہ مین کس حد تک اضافہ کرتا ہے، قوم متمول اس وقت ہوتی ہے، جب وہ ترقی کا کوئی جدید راز معاشرت کا کوئی بلند اصول دریافت کرتی ہے، کسی قوم کے متمول ہونے کے یہ معنی نہین کہ اس کے پاس ان چیزونکا کافی ذخیرہ ہو جو دنیا مین پیشتر سے موجود تھین، بلکہ یہ مفہوم ہے کہ وہ ان جدید چیزون کی تخلیق کرے، جو اس وقت تک دنیا مین نہ تھین، نسل انسانی کے فواید ومنافع مین اضافہ کرے اور انسانیت کے احساس کو ترقی دے،

علیٰ ہذا اقتدار بھی قوم کا مطمح نظر نہ ہونا چاہیے، اصلی اقتدار وہ ہے جو انسان کی مسرت وراحت مین اضافہ کرے، مادی قوت کی نمایش، اقتدار کا صحیح معیار نہین حقیقی تسخیر، پایدار تسخیر نفس وروح کی تسخیر ہے، حقیقی قوت روشنی کی قوت ہے قوم کی حقیقی شان وشوکت کا معیار یہ ہے کہ وہ دنیا مین روشنی پھیلانے مین کس حد تک معین ہوئی ہے،

قوت، ثروت، و وسعت رقبہ بیشک مفید وقابل قدر چیزین ہین، مگر اسی وقت تک کہ جب تک فریضۂ انسانیت کی ماتحتی مین ان سے کام لیا جائے اور مختلف اقوام کا باہمی

---

[1] کلیگولا، رومہ کا حریص و پرہیبت وسفاک تاجدار، اسکے زمانہ مین رومی شہنشاہیت کا تسلطنہ تمام عالم مین ظاہر تھا،

شک ورقابت صرف اسی عالت مین کارآمد ہوسکتا ہی، جب اس فریضہ انسانیت کی تکمیل کے لیے باہم مسابقت ہو،

قومون کا مطمح نظر، خودغرضی کی ضد، بےغرضی ہونا چاہیے، کہ یہی بےغرضانہ مطمح نظر حقیقتًہ مقاصد واغراض کے حق مین سب سے زیادہ مفید ہوگا،

مطمح نظر کے معنی یہ ہین کہ مستقبل اسے پورا کرانا چاہتا ہے، آج کا مطمح نظر کل ایک حاصل شدہ شے بن جاتا ہے، اس بنا پر جو قوم اپنے مطمح نظر کے پورا کرنے پر جتنا زیادہ متوجہ ہوتی ہی اسی قدر وہ گویا مستقبل سے زیادہ اتحاد پیدا کرتی جاتی ہے، اور خود اپنے مستقبل کو مستحکم بناتی جاتی ہے، وہ جس قدر ان چیزون پر عمل کرتی جاتی ہے، جن کا نام حریت، عدل وترقی رکھا گیا ہے، اسی قدر اپنا مقصد وجود پورا کرتی جاتی ہے، اسی طرح جو قوم ان چیزون کو بھلادیتی ہے، ان حقایق کو پس پشت ڈال دیتی ہے، اور محض خودغرضی ونفس پرستی کو اپنا مقصود حیات سمجھنے لگتی ہے وہ روزبروز مستقبل سے دور ہوتی جاتی ہی، بلکہ اس سے متصادم ہو جاتی ہے، اس تصادم کا نتیجہ صرف ایک ہی ہوتا ہے، یعنے بڑی زبردست قوم کو بھی بالآخر شکست وموت ہی نصیب ہوتی ہے، یہی سبب ہی کہ دنیا مین کتنی شہنشاہیان قایم ہوئین، مگر اسی خودغرضی کی روش نے ایک ایک کرکے سب کو ملیامیٹ کردیا، کیا موجودہ خودغرض شہنشاہیون مین سے کسی کے بچنے کی توقع ہے؟

کسی قوم کے وجود کی غایت خودی وخودپروری نہین ہوسکتی، ہر قوم کی زندگی کا سہارا وہ خدمات ہوتے ہین، جو وہ عالم انسانیت کے لیے کرتی رہتی ہے، اسکی زندگی کی

مدت اسی وقت تک رہتی ہے، جب تک اس کے ذریعہ سے خدمت خلق ہورہی ہے اس درمیان مین اگر وہ خودغرضی ہی کو اپنا مقصود حیات بنائے رکھے، لیکن بالواسطہ طور پر اگر اس سے دنیا کو فایدہ پہنچتا رہتا ہو، تو بھی اس کی زندگی قایم رہ سکتی ہے، لیکن جون ہی اس کی حیثیت افادی ختم ہو جاتی ہے، وہ قوت جو اس کا سرمایہ زیست تھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، تاآنکہ وہ قوم زوال وانحطاط کی پستیان طے کرتے کرتے موت و ہلاکت کے غار مین گر کر ناپید ہو جاتی ہے اس لیے کہ اب انسانیت کو اس کے وجود کی ضرورت باقی نہین رہتی،

کل قومون کو ان قوانین کا علم ہو جائے گا جن کا درس آج مصائب ونوازل انہین دے رہے ہین، اس کے بعد سے کسی قوم کو ان کی خلاف ورزی کی جرات نہ ہو سکے گی لیکن وہ خوش قسمت قوم کون ہے، جس کے نصیب مین اس سبق کو سب سے پہلے حاصل کرنے اور اس کے مطابق عمل درآمد کرنے کی توفیق ہے؟ وہ خوش نصیب قوم کون ہے جو اس دولت واقبال لازوال کو حاصل کر کے دنیا کے سامنے سب سے پہلے اپنا اسوہ حسنہ پیش کرے گی، اور خدمت انسانیت کو منتہاے مقصود، بے غرضی کو اپنا قانون عمل، فرض کو اپنا محافظ، اور مستقبل کو اپنا معین ومددگار بنالیگی؟

# باب ۳

## ترقی اقوام

اس وقت کرۂ ارض جن سو ممالک مین تقسیم ہے، وہ دراصل اقلیم عالم کے سو صوبے ہین، اور ان مین جو سو قومین آباد ہین، وہ نسل انسانی کے سو خاندان ہین، لیکن کسی کا خیال اس حقیقی رشتہ کی طرف نہین جاتا، بلکہ ہر ایک محض اپنی ہی خیر مناتا ہے،

ان مین سے اکثر ایک دوسرے کے وجود ہی کو بھلائے ہوئے ہین اور مل جل کر رہنے کا انھین خیال ہی نہین آتا، اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر قوم اپنے دائرہ توجہ کو محض اپنی ذاتی زندگی تک محدود رکھتی ہے، اور یہ چاہتی ہے کہ اپنی زندگی پورے سکون و بے فکری کے ساتھ بسر کرے، جو چیزین ان کی ان تن آسانیون مین معین ہوتی ہین، انھین یہ ترقی سے موسوم کرتی ہین،

گو چند قومین اور بھی ہین، جن کا دائرۂ واقفیت اس قدر محدود نہین، اور نہ ان کی انانیت اس قدر ساکن و جامد ہے، انھین تمام دنیا سے دلچسپی ہے، اس لیے کہ ان کے اغراض و مقاصد سب کہین پھیلے ہوئے ہین، دنیا مین کہین کوئی واقعہ ایسا نہین ہوتا جس مین ان کا ہاتھ نہ شریک ہو، اور جس کے نفع کے وہ حصہ دار نہ ہون، ان قومون کی تعداد زیادہ نہین، ایک درجن سے بھی کم ہی ہے، لیکن ان کا جال ہر جگہ پھیلا ہوا ہے اور چونکہ یہ سب کی سب ہر چیز مین حصہ لگانا چاہتی ہین، اس لیے انھون

نے اپنے مختلف ومشترک اغراض کو پیش نظر رکھ کر اپنے تئین دو یا تین انجمنون یا جتھون مین تقسیم کر لیا ہے، جو ایک دوسرے کی مخالف ہین، گویا یہ تو مین معاشرت پسند ہین لیکن ان کی معاشرت آپس کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیون تک محدود ہے، جو چیزین ان کے اغراض حرص وہوس مین معین ہوتی ہین، ان کا نام ان کی اصطلاح مین ترقی ہے،

دنیا کی خوش قسمتی سے اب تک یہ ٹکڑیان باہم دگر حریف ورقیب رہی ہین، دنیا کی عادل وفہمیدہ حکمران اقوام کا باہمی اتحاد بے شک ایک مبارک چیز ہے، لیکن اسی طرح مستبد اقوام کا اتحاد جن کے درمیان محض حرص وہوس مشترک ہو، امن عالم کے حق مین خطرہ سے خالی نہ تھا، اور اگر جس بنا پر بعض سلطنتین اس عام اتحاد سے الگ رہی ہین، وہ شے سب مین مشترک ہوتی تو اب تک "دول متحدہ یورپ" کا نظام تمام دنیا کو آپس مین تقسیم کر لینے کی غرض سے قایم ہو چکا ہوتا، اس عالمگیر جنگ نے اس خواب کی تعبیر کو ایک عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا ہے،

---

فرد اگر جماعت سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے تو مجرم سمجھا جاتا ہے، لیکن اقوام اب تک باہمی معاشرت سے نا آشنا ہین، ایک دوسرے سے یہ کب ملتی ہین؟ یا غلام بنا سکے کے لئے یا غصب حقوق مین باہمی شرکت کے لیے، ان کی حکومت کے معنی یہ ہین، کہ اس کے سوا یہ اور کسی شے کے قابل نہین، ان کے لیے واجب التسلیم صرف ان کی "مقدس" انانیت ہے، جو دوسرون کو ہلاک وبرباد کرتے کرتے آخر خود اپنی بربادی

وہلاکت کا سبب بن جاتی ہے،

انانیت ہی وہ مخفی محرک ہے، جو سب کو ایک دوسرے سے لڑاتی رہتی ہے، خودغرضی کا آخری نتیجہ ہمیشہ بیمانہ جنگ وجدل ہوتا ہے، امن وصلح کی لاکھ کوشش کی جائے، لیکن خودغرضی کبھی بغیر مقاتلہ وخونریزی تک پہنچائے رہ نہین سکتی، اس کے مقابلہ مین ہرطرح کے "اتحاد" و "ائتلاف" بے کار ہین، بجز اس کے کہ ان کی وجہ سے یہ شعلہ عالمگیر ہوجاتی ہین،

ان اقوام کی اصطلاح مین "بربریت" کا مفہوم صرف یہ ہے، کہ اسلحہ حرب جدید ترین نمونون کے مطابق نہ ہون، اور "متمدن" سلطنتون کی اصلی شناخت یہ ہے کہ باہم "التوا، جنگ" رہے، لیکن کمزور قومون پر فوج کشی جاری رہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ فرصت مہلک سے مہلک تر آلات حرب کی ایجاد اور آیندہ جنگ کی تیاریون مین صرف ہوتی رہے،

سائنٹفک اشخاص کا ایک گروہ تو انھین آلات حرب کی ایجاد واختراع مین مشغول رہتا ہے، لیکن ایک اور گروہ جو اس سے بھی زاید سائنٹفک ہے، اس کا مشغلہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بہ دلایل وبراہین ثابت کرتا رہے، کہ انتخاب طبیعی وبقاے اصلح کے وہ قوانین جو عالم حیوانی کے ارتقا مین معین ہوتے ہین، وہی اقوام انسانی پر بھی عامل ہین، اور اس مسئلہ کی صحت کا، یعنی اس امر کا کہ یہ اقوام ابھی حیوانیت کی سطح سے بلند تر نہین، سب سے بڑا ثبوت خود انھین اقوام کا طرز عمل ہے، بلکہ اگر یہی رفتار حوادث قایم رہی تو کچھ عرصہ مین سب اپنے سے قوی تر حریف کا شکار بن جائینگی کیونکہ

یہ ممکن نہیں کہ کوئی ایک ہی قوم ہمیشہ سب سے قوی تر رہے،

لیکن ان کی یہی نفسانیت، جس کے باعث یہ ایک دوسرے کو اپنا شکار بنا رہے ہین، انھین حیوانیت کی پستی سے انسانیت کی بلندی کی طرف بھی لا رہی ہے، ہبیعت کا فلسفہ، وحشی جانورون کا اصول عمل، رفتہ رفتہ باہمی خلوص، ہمدردی و مواخات کے لیے جگہ خالی کرتا جاتا ہے، اور تنازع للبقا تدریجاً تعاون للبقا کی صورت اختیار کر رہا ہے، اور ہبیعت کے بعد "مجلس اقوام" کا زمانہ آ رہا ہے،

اقوام کی مادی تاریخ اپنی منزل کی جانب لیے جا رہی ہے، وہان تک پہنچنے کے لیے بے شک بہت زیادہ سعی و کوشش کی ضرورت ہے، لیکن جنگ و صلح کی کشمکش سے نکل کر بالآخر قومین اس منزل کے قریب آتی جاتی ہین، اور ایک دوسرے کو گلے لگاتی جاتی ہین وسعت ارض ان کے لیے تنگ ہوتی جاتی ہے، اور دنیا مین یکسانیت پیدا ہوتی جاتی ہے انکے فضائل و رذایل دونون سب مین مشترک ہو گئے ہین، ان کے بہترین کمالات مین سب مساوی شریک ہین، علم و فن، حکمت و ادب، کسی ایک قوم کی مخصوص ملک نہین، ان سب کے عقاید، تمدن، خاندان، وغیرہ صدیون کی جنگ و صلح کے بعد آپس مین مخلوط و مدغم ہو گئے ہین، اسی طرح ان کے رذایل نے بھی ان مین اتحاد ہی پیدا کیا ہے، ہر میدان جنگ مین خواہ فاتح خواہ مفتوح کی حیثیت سے انھون نے اپنی لاشین ایک ہی جگہ چھوڑی ہین، اور ایک ناخوش گوار مواخات کی عمارت انھون نے اپنے خون سے تعمیر کی ہے۔ نفرت، محبت ہی کی شکل معکوس کا نام ہے،

اور محبت ہی کا پہلا اور دہنہ لا پیغام ہے۔ نفرت کا پیدا کیا ہوا رشتہ خلوص معاہدون اور صلحنامون سے کہین بڑھکر پایدار و مستحکم ہوتا ہے، نفرت بھی بالآخر منزل اتحاد ہی کی طرف لے جاتی ہے، گو اس کے راستہ تاریک و پر پیچ ہوتے ہین، ایک روز وہ دن آکر ضرور رہتا ہے، جب انسان خود اس شے سے نفرت کرنے لگتا ہے، جس نے اسے ایک دوسرے سے نفرت کرنا سکھایا تھا،

جب باہمی مناقشات ان قومون کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہین اس وقت انھین معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس مین کتنے تعلقات رکھتی ہین، افتراق کے وقت انھین نظر آتا ہے کہ ان مین باہم رشتہ اتحاد بھی کیسا مضبوط تھا، یہان تک کہ اتحاد و اتفاق کی جن کڑیون کی جانب پہلے خیال بھی نہین جاتا تھا، وہ اب صاف نظر آنے لگتی ہین، چنانچہ جو قومین اس جنگ جہان سوز سے الگ اور بے تعلق رہی ہین، وہ بھی اس کے اثرات کو آج محسوس کر رہی ہین، اور اب انھین یہ تجربہ ہو رہا ہے کہ اگر ایک عضو پر زخم آجاے تو تکلیف سارے جسم کو ہوتی ہے،

اس اتحاد و اشتراک نے آج سے زیادہ نمایان شکل کبھی نہین اختیار کی تھی، موجودہ جنگ کی عالمگیری نے ثابت کر دکھایا ہے، کہ عالم انسانیت کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے سے وابستہ ہے، انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ تو ایسا نہین جو اس جنگ کے اثرات سے غیر متاثر و غیر مختل رہا ہو، یہی وہ عام و مشترک قیامت ہے، جو مستقبل عالم کا نظام تیار کر رہی ہے، اور اعلان کر رہی ہے، کہ آیندہ اقوام کو اپنی

حالت مین تبدیلی کرنا ہوگی، دور جدید کا آغاز ہو رہا ہے۔

دنیا پر ایک تازہ زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے، یہ لہر یورپ سے اٹھی، امریکہ مین اس نے حرکت پیدا کی، اور ایشیا کو خواب سے بیدار کر دیا، خوش نصیب ہین وہ قومین جو اپنے طویل ایام مشقت کے بعد جاگین اور سکھ کی نیند سو سکین گی، اس لیے کہ باقی قومون کے لیے اب گوشہ لحد ہے،

یہ لہر تمام کرۂ ارض کا چکر لگا کر پھر وہین لوٹ آئی ہے، جہان سے اٹھی تھی، اور اب کی اس نے یورپ مین شعلۂ آتش کی شکل اختیار کر لی ہے اور قومی و نسلی غرور اسی شعلہ کی نذر ہو رہا ہے، یورپ کو باہر والون کے ساتھ تحقیر کا برتاو ترک کرنا پڑیگا، اس لیے کہ قومی غرور کو یہ شعلہ جلا کر خاکستر کیے دیتا ہے، قومون کو اس تخیل سے دست بردار ہونا پڑیگا، کہ وہ دوسرون کی حاکم یا آقا ہین، اور بجاے اس کے اپنے تئین انسانیت کا خدمتگزار تسلیم کرنا پڑے گا،

مستقبل کی قوت اُن سے قطعاً یہی کام لیتی ہے، جنھین اُس کی خدمتگزاری سے انکار ہوتا ہے، البتہ جون ہی ان سے اپنا کام لے چکتی ہے، انھین ختم بھی کر دیتی ہے ماضی کی بڑی بڑی پرہیبت وجلال سلطنتون سے اُس نے ان کی نادانستگی مین یہی کام لیا، اور کام لے چکنے کے بعد انھین برباد کر دیا، یہی حشر موجودہ سلطنتون کا بھی ہونا ہے، اپنے جبر وستم اپنی ناانصافیون کے ذریعہ سے یہ قومین اپنے مقصد وارادہ کے خلاف، مستقبل کا بھی مقصد پورا کرتی رہی ہین، کہ نوع انسانی مین

باہم اتحاد قایم ہو مستقبل کی قوت ان کے ذریعہ سے یہ کام نکال کر اب خود ان پر اپنا عمل کر رہی ہے، یعنی ان قومون کے جو جو حالات اس مقصد اتحاد کی راہ مین حایل ہون گے، انھین وہ فنا کر دے گی، اور اسکا نتیجہ کیا ہو گا؟ یہ ہو گا کہ

چونکہ صدیون کی جد وجہد کا مقصود یہی اتحاد بین الاقوام رہا ہے، اور مستقبل کی منزل مقصود یہی عام عالمگیر اتحاد ہے، اس لیے وہی حکومتین جن کی ساخت و ترکیب اس قسم کی واقع ہوئی ہے جو اس نصب العین کے حق مین معین ہو سکتی ہے، وہی حکومتین برقرار رہ سکین گی، اور وہی ترقی کی علم بردار ہون گی،

قومی تہذیب و تمدن کا معیار آیندہ سے یہی احساس اتحاد رہے گا، اور آیندہ انھین افراد و اقوام پر "متمدن" کا اطلاق ہو گا، جو اس لیے متحد ہوئے ہین کہ ہر فرد کو دوسرے فرد کا بھائی اور ہر قوم کو خاندان انسانیت کا ایک جزو تسلیم کرین،



# باب ۴

## حقوق اقوام

اوپر کہا جا چکا ہے، کہ جو تعلق فرد کو قوم سے ہے، وہی قوم کو عالم انسانی سے ہے اس بنا پر جس طرح فرد کے لیے قوم کے فرایض ہین، اسی طرح اس کے حقوق بھی ہین، وقت آگیا ہے کہ جن حقوق کے مطالبہ کی عزت فرد کی جانب سے سب سے پہلے فرانس کو حاصل ہوئی، انھین حقوق کا اعلان اب اقوام سے متعلق بھی کیا جائے، اور فرد سے متعلق جن حقوق ثلثہ کو فرانس کے دست سیاست نے موجودہ تمدن کے دروازہ پر کندہ کر دیا ہے، وقت آگیا ہے، حقوق اقوام کا خلاصہ بھی انھین تین لفظون مین درِ مستقبل پر آویزان کر دیا جائے،

---

"حریت، مساوات، اخوت"

سب سے پہلی چیز حریت ہے، چھوٹی بڑی ہر قوم کو آزادی ملنا چاہیے، بڑی قومین صرف وہ ہین جو عالم انسانی کی بڑی خدمات انجام دیتی ہین، اور اس لحاظ سے کیون نہ چھوٹی قومین بڑی قومون سے بھی بڑھ چڑھکر خدمات انجام دین،

آزادی کس چیز کی؟ آزادی اپنے وجود کی، آزادی اس امر کے انتخاب کی کہ خواہ وہ الگ الگ آباد رہین خواہ کئی کئی آپس مین مل کر رہین، حقوق اقوام کی اصلی

بنیاد و اساس کار یہی آزادی ہے، اور وہ حقوق سب اقوام کے لیے یکسان ہین، یورپ وامریکہ ایشیا و افریقہ کی ان مین کوئی تفریق نہین،

اِس کی بھی آزادی حاصل ہو، کہ ہر قوم اپنی سرشت، اپنے مخصوص مزاج وافتاد طبیعت کے موافق مدارج نشو و نما و ارتقا طے کر سکے، جس وقت کسی ایک قوم کو بھی اس کے گوناگون مظاہر و شؤن مین سے کسی ایک شئے کو بھی حد تکمیل تک پہنچانے سے روکا جائیگا، انسانیت کے سرمایہ مین اسی وقت سے افلاس کا داغ لگ جائیگا،

ہان آزادی ایسی ہونی چاہیے کہ ہر قوم اپنے اپنے مذاق کے مطابق پھلے اور پھولے اتحاد کے یہ معنی نہین، کہ سب کو ایک ہی قالب مین ڈھال دیا جائے، ہر آئین اور ہر نظام کو اپنی زندگی کے ثبوت دینے کا پورا موقع ملنا چاہیے،

غرض ہر قوم کو زندگی ملنا چاہیے، اور جس نوعیت و طرز کی زندگی اسے مرغوب ہو وہی ملنا چاہیے، اپنی جماعتین بنا کر یا جس طریقہ پر بھی وہ اپنی تنظیم کرنا چاہین سب قومون کو زندہ رہنا چاہیے اور اس وقت تک زندہ رہنا چاہیے، جب تک وہ منفرداً یا مجموعاً اس شئے کی خدمت کرتی رہین جو ان سب سے افضل و برتر ہے، یعنی تمام اقوام کا آغوش مادر عالم انسانی،

---

"مساوات" تمام قومین بہ لحاظ حقوق مساوی ہین، حق کے سامنے سب برابر ہین یہی مساوات ایک دوسرے کے مقابلہ مین انکی آزادی کا ضمانت تامہ ہے، اس اقرا

نامہ پر سب کے دستخط ثبت ہین، متمدن افراد کی طرح متمدن اقوام مین بھی کسی ایک کے ساتھ نا انصافی ہونے کے معنی یہ ہین کہ سب کے حقوق کو صدمہ پہنچا، اسکے متعلق ہر قوم مین مساوی احساس پیدا ہونا چاہیے، بلکہ اگر کسی کمزور کے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے تو پر قوت قومون کو اور زیادہ اس کا احساس ہونا چاہیے،

اگر عدل نہین، اگر سب کے لیے مساوی انصاف نہین، تو نہ کسی متمدن فرد کا وجود رہ سکتا ہے، نہ کسی متمدن قوم کا، اس عدل کی پیشگاہ مین زبردست زیردست قوی وضعیف سب کے حقوق بالکل مساوی ہونے چاہیین، اس لیے کہ حقوق کا معیار طاقت وقوت نہین حق کے حقوق طاقت وقوت سے کہین اعلی وافضل ہوتے ہین،

کمزور کے مقابلہ مین قوت کا اظہار نہ کوئی متمدن فرد کر سکتی ہے، نہ متمدن قوم کوئی ہستی بجاے خود عدل کو اپنے ہاتھ مین نہین لے سکتی، عدل کی تعریف یہ ہے کہ ہر ہستی ہر دوسری ہستی کے مقابلہ مین پورا انصاف حاصل کر سکتی ہو،

مساوات حقوق سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ان حقوق کی نیابت مین بھی سب مساوی ہین، اس قانون کے وضع کرنے مین جو ان سب پر حاوی ہے، سب کی شرکت مساوی ہونا چاہیے۔ اور اس قوم اعظم (یعنی عالم انسانی) کی حکومت مین، جسکی سب قومین جزو ہین سب کو برابر کا حصہ دار ہونا چاہیے،

اس بنا پر انسانیت کی پارلیمنٹ کی ترکیب مین محض مخصوص اقوام کا نہین بلکہ کل اقوام کا شمول لازمی ہے، انجمن اقوام مین چھوٹی بڑی، امیر وغریب، مالک ومملوک،

ہر قوم دوسرے کے مساوی جگہ رکھتی ہے اور مالک ومملوک کیا معنی سرے سے یہ تفریق ہی مٹ جائیگی۔ اور اس سے حاکم اقوام کو اندیشہ کی کوئی وجہ نہین، اس لیے کہ اگر ان کا غلبہ بجا وحق بجانب ہے تو اس کے لیے بجز علم وعقل کے اور کسی سہارے کی حاجت نہین، آلات واسلحہ کی قوت سے بڑھکر روحانی طاقت ہے، پھر اگر مجلس اقوام مین اکثریت ان کی جانب نہین بلکہ وہ اپنے تئین اقلیت مین پاتی ہین، تو بھی کیا مضائقہ ہے، دنیا کی رہبری وسرداری ہمیشہ مختصر وچیدہ جماعات ہی کرتی آئی ہین، اور جس وقت تک وہ دوسرون سے ممتاز ہین، سرداری بدستور ان کے ہاتھ مین رہے گی، البتہ اس سرداری کی بنیاد عدل واخوت پر قایم ہو گی،

---

"اخوت" اس کے معنی یہ ہین کہ ایک دوسرے کا ادب ملحوظ رہے، اور باہم نفع رسانی کی کوشش رہے، تمام ممالک ایک دوسرے کے بھائی ہین، مادر گیتی سب کی مشترک مان ہے، وہ کرۂ ارض کے کسی خط مین بھی واقع ہون، ایک ہی آفتاب سب کو روشنی پہنچاتا ہے، کوئی قوم کسی حصۂ زمین مین آباد ہو، سب کو ایک ہی منزل تک پہنچنا ہے کیون نہ موت سے پیشتر زندگی ہی مین سب ایک دوسرے کو متحد سمجھین،

اب تک حب الوطنی کا مفہوم یہ رہا ہے کہ دوسرون کے ساتھ اگر نفرت نہین، تو کم ازکم مغایرت وحقارت کا برتاؤ ضرور کیا جائے، درآنحالیکہ یہ تمام اقوام مختلفہ ایک ہی اصل انسانیت کی مختلف شاخین اور ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر

دشمن ہین، سچا محب وطن وہ ہے جو اپنی قوم مین انسانیت ہی کا عکس دیکھتا ہے، لیکن کیا ممکن نہین کہ دوسری قومون مین بھی وہ یہی عکس دیکھے، وہ دن آرہا ہے، جب ہر شخص دوسرے ممالک کو اپنا ہی وطن سمجھنے لگیگا، اور ہر ملک اسے خاندان انسانی ہی کا ایک مسکن نظر آنے لگیگا، ایسی حالت مین وہ دوسرے ملک مین پہنچکر اپنے میزبان سے اجنبی کا سا برتاو نہین کریگا، بلکہ وہ طرز عمل رکھے گا جو ایک دوست کا دوسرے دوست سے ہوتا، یا اولاد کا اپنی والدہ کے خاندان والون کے ساتھ،

اُس وقت زمین پر جاسوسون اور مخبرون کا وجود نہوگا،

اُس وقت کسی قوم کو اس کی ضرورت نہ باقی رہے گی کہ وہ دوسرے ممالک مین مشہور و معروف لیکن مجہول و مخفی اشخاص لگاے رکھے جو دھوکا دینے مین مشاق اور دھوکا کھانے کے اچھی طرح خوگر ہون، اور جن کا کام یہ ہو کہ مصالح کی آڑ مین نہایت ہی غیر مصلحت اندیشانہ کارروائیون مین مصروف رہین، اسوقت قومین بجاے ایک دوسرے کے مخفی دشمن ہونے کے آپس مین مراسم ارتباط و اتحاد قایم کرینگی، اسوقت ان کے سرکاری نمایندہ (کانسل اسفرا وغیرہ) چالاک قومی جواڑی نہ ہونگے، جو قومون کی زندگی و موت پر بازی لگایا کرین گے، بلکہ دانشمند و راست باز مشیر ہون گے، اور سب کے مشترک فواید کے نگران و وکیل ہون گے، جنکی مجلس ہر قوم مین گویا انسانیت کی مجلس ہوگی،

کیا اس مرتبہ تک پہنچنا بہت دشوار ہے؟ کیا موجودہ متمدن اقوام سے اسکی

توقع کرنا ایک امر محال کی توقع رکھنا ہے، کہ وہ متمدن افراد کے نظام اخلاق کے مطابق عمل کرینگا اور اس طرح ایک دوسرے کو اس بار وحشت سے سبکدوش کرین، جو اس وقت ان سب کو کچلے ڈالتا ہے،

---

حریت، مساوات و اخوت کے ان اصول ثلثہ کے علاوہ کسی اور اصول پر موجودہ اقوام کی حیات مستقبل کے معنی یہ ہین، کہ انکے نصیب مین غلامی، ذلت و فساد کی زندگی ہی، آزاد، مساوی و برادرانہ تعلقات قایم رکھنے والی اقوام کے دائرہ جمہوریت سے باہر ہونے کے بعد درحقیقت اسکے سوا کوئی چارہ ہی نہین رہ جاتا، کہ نوع انسانی کو باہمدگر رقیبانہ تعلقات قایم رکھنے والے حصون مین تقسیم کر دیا جائے، ایسی چند قومی ہیکل و مستبد ٹکڑیان قایم ہو جائینگی، جنکے مقابلہ مین موجودہ سلطنتین ہیچ ہین اور جن کے آگے آج کی ہر چھوٹی بڑی سب ہی اقوام کو سر جھکا دینا ہوگا، ان ٹکڑیون کے درمیان مستقل جدال و قتال قایم رہے گا، جو اسقدر ہولناک ہوگا، کہ اسکے سامنے موجودہ جنگ کی کوئی حقیقت نہین رہتی،

اقوام آج جس راستہ پر چل رہی ہین، وہ اسی منزل کی طرف لے جانے والا ہے اور اس قسم کے ہیبت ناک اژدرنما سیاسی و جنگی ہستیون کے وجود مین آنے کے آثار ابھی سے پیدا ہوتے ہوئے نظر آرہے ہین،

لیکن فطرت اژدرون کو دوست نہین رکھتی، انکی زندگی محض عارضی اور مخصوص

مقاصد کے لیے ہوتی ہے، طبقات ارض سے جن اژدرون کے ڈھانچ آج نکل رہی ہین، وہ کتنی مدت تک زندہ رہ سکے، یہی حشر ان دیو ہیکل ہیبت فگن نظامات کا بھی ہونا ہے جو حکومتین اپنے اجتماع سے قایم کر رہی ہین، جون ہی ان کا مقصد حیات پورا ہو چکے گا، ان پر فنا طاری ہو جائیگی،

انکی پیدایش کا مقصد یہ ہے، کہ اقوام کو کسی بہتر حالت کے لیے تیار کیا جائے، انھون نے قومون کے سامنے ابھی سے اپنا ہیبت ناک وجود ظلّی پیش کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ بداعمالیون کے جو نتایج پیش آنے والے ہین، ان سے سب باخبر ہو جائین، انھون نے سر دست اقوام کی مطلق العنانی کو کچھ تو کم کر کے انکی خودی کو اس غرض کے لیئے دبایا ہے، جو آیندہ آزاد جمہوریت اقوام کی تنظیم کے لیے ضروری ہے، اور انھون نے موجودہ کشمکش کی وہی صورت پیدا کر رکھی ہے، جو پیدا ہونی چاہیے تھی، یعنی وحشتناک اسقدر کہ آیندہ سب کے دلون پر ہیبت طاری ہو جائے، خونریز اسقدر کہ تمام پچھلے نظامات تہ و بالا کر کے رہے، اور عالمگیر اسقدر کہ دنیا کا کوئی گوشہ آیندہ آزادی کی نعمت سے محروم نرہنے پائے

اب اقوام کے سامنے صرف دو راستہ ہین، یا تو باہمی جنگ و ہلاکت کے لیے مسلح اتحاد اختیار کرین، اور یا امن و آشتی کے ساتھ آزادانہ اتحاد سب ملکر قایم کر لین ان مین سے ایک رستے کا انتخاب کرنا ہے،

# باب ۵

## امن عالم

مدتون سے انسان کو اسکا احساس ہے، کہ نظام کائنات کے اس ادنی ترین جزو کرۂ ارض پر حیات چند روزہ پاکر آپس مین لڑنا جھگڑنا، سعی و اہتمام کے ساتھ تفریق اور تفریق در تفریق قایم کرنا، اور بجاسئے باہمی خلوص و مواخت کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے کے اجل کی دست بُرد مین معین ہونا، کس قدر حماقت بلکہ جنون ہی،

مدتون سے وہ اس جنون کے ازالہ، اس مرض کے دفعیہ کی فکر مین ہے لیکن ابتک کامیابی نہین ہوئی، یہ آخر کیون؟

حکماء نے برکات صلح بیان کئے، انبیاء نے پیام امن کی منادی کی تاہم دنیا ابھی تک اس کی آمد کا راستہ ہی دیکھ رہی ہے، اسکی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے کہ امن کوئی ایسی شئے نہین جو من و سلویٰ کی طرح آسمان سے نزول کرے، بلکہ انسان کے احساس انسانیت کا نتیجہ ہے، اور انسانیت کے احساس سے اس وقت تک قلوب الصانی نا آشنا ہین،

بڑی بڑی سلطنتون نے ہمت کی کہ دنیا مین امن قایم کردیا جاسے، بڑے بڑے فاتحون نے منصوبہ باندھا کہ اپنے زور و قوت سے دنیا مین امن قایم کرکے رہین گے لیکن ان ہمتون کو زندہ آہنی کے بار نے توڑ توڑ دیا اور یہ خواب ہمیشہ جھوٹے ہی نکلے اس لیے کہ امن کا جنگ سے اور نرمی کا سختی سے پیدا ہونا محال ہے، یہ ناممکن ہے کہ جنگ سے

صلح پیدا ہو سکے،

آج پھر قوموں میں یہی پرانا منصوبہ تازہ ہو رہا ہے، وہ سمجھتی ہیں کہ یہ جنگ آیندہ جنگوں کا خاتمہ کر دیگی، اور عسکریت کی یہ طاقت ہمیشہ کے لیے عسکریت کا زور توڑ دیگی اگر علاج بالمثل کے اس مہمل اصول میں کچھ بھی صداقت ہوتی، تو مدت ہوئی دنیا سے جنگ رخصت ہو چکی ہوتی، یہ لوگ اس وہم میں گرفتار ہیں کہ ایک حربی فتح دنیا میں صلح قایم کر دیگی، حالانکہ دنیا کی صلح وہ صلح نہیں جسکے شرائط فاتح یا قوی ترین فریق مرتب کرے. دنیا قدیم رومیوں کے شرائط صلح کی پابندی نہیں کر سکتی، دنیا کو جس شے کی ضرورت ہے، اور جس امر کا انتظار ہے، وہ نوع انسانی کی صلح ہے، جس پر دستخط مفتوح اقوام کے نہیں بلکہ آزاد اقوام کے ثبت ہونگے، اور جسکے شرائط خود انسانیت کے ایما سے مساویانہ تمام اقوام کو املا کیے جائیں گے



دنیا میں قیام امن نہ تو فوجی طاقت سے ہو سکتا ہے، اور نہ فرقہ مصالحانہ[1] کی کمزوریوں کی اس فرقہ کو روشن ترین توقعات کے باوجود جیسی ناکامی ابکی نصیب ہوئی ہے اسکے پیشتر کبھی نہیں ہوئی تھی، سرکاری حیثیت سے تمام قومیں بلکہ ان کے حکمران تک بھی یہی بولی بولنے لگے تھے اس پیام کی منادی خود زار نے کی تھی، اور اسی کی اپیل کے مطابق دوسری سلطنتوں نے اپنے ہاں اس غرض کے لیے مجلسیں منعقد کیں، صلح و امن کے نام سے ایک مندر

[1] یورپ میں ایک گروہ Pacifist کے نام سے موجود ہے جو ہر قسم کی جنگجوئی کا سخت مخالف ہے اور

تعمیر کیا گیا[1]، مگر اسی تاریخ سے ان ہولناک محاربات کی بھی بنا پڑ گئی، جنکی نظیر سے تاریخ عالم خالی ہے
یورپ کے تمام قانون سازون نے قوانین کی مدد سے بڑی بڑی عدالتین قایم کر رہی ہین کہ وہ فصل خصومات بجائے طاقت و قوت کے حق و استحقاق کی بنا پر کرین اور جنگ تک کے آئین و ضوابط مقرر کر دیے ہین، تاکہ نفاذ قوت کے ساتھ قوت بھی حق کا عنصر شامل رہے، بااین ہمہ شاید آج سے زیادہ قوت حق پر کبھی غالب نہ آئی ہو،

تمام ممالک کے طبقہ عمال (مزدوری پیشہ گروہ) نے جنگ کے خلاف اتحاد کر لیا تھا انھون نے ایک دوسرے سے حلف لے لیا تھا کہ بصورت جنگ سب بغاوت کر دین گے انکی مرکزی بین الاقوامی مجلس گویا امن و صلح کی ایک قطعی ضمانت تھی، لیکن آج وہی لوگ ایک دوسرے کے قتل مین مصروف ہین، اور جن زبانون پر کل تک مواخات کی تعلیم تھی وہی آج مقاتلہ مین مشغول رجز خوانی ہین،

تمام قومون نے جنگ سے محفوظ رہنے کے لیے کثرت سے معاہدہ و اتحاد نامے مرتب کر لیے تھے، اور قیام امن کے لیے صلحنامون کی تعداد حد سے بڑھ چلی تھی، لیکن آج جنگ کی خبیث روح ہر سمت سے مجتمع ہو کر مختلف مقامات مین اپنا گھر پیدا کر رہی ہے، اور اپنے ہمراہ اپنے سے خبیث تر سات روحون کو اور لیے ہوئے ہے"

اسوقت چودہ قومین ایک دوسرے کو ہلاک کرنے مین مشغول ہین[2]،

---

[1] یہ اشارات ہین، ہیگ کی عدالت صلح کی جانب ۔ [2] حسب ذیل چودہ ملکون نے اس جنگ عظیم مین حصہ لیا تھا۔
جرمنی[1]، فرانس[2]، روس[3]، اسٹریا[4]، انگلستان[5]، اٹلی[6]، امریکہ[7]، جاپان[8]، ٹرکی[9]، بلگیریا[10]، بلجیم[11]، سرویا[12]، مانٹی نیگرو[13]، پرتگال[14]،

فرقہ مصالحانہ اس وہم مین مبتلا تھا، کہ روز افزون اقتصادی مادیت اور فوجی دمدمون کی افراط سب اسی کی تائید مین ہے، گویا خدایان تجارت کی خدائی مین آیندہ کے میدان کارزار محض تجارتی منڈیان رہ جائین گی، آیندہ کے محاربات محض تجارتی مقابلہ ومسابقہ ہون گے آیندہ کے فتوحات محض افزایش پیداوار کے مرادف ہونگے دنیا کی رہنمائی اسی دنیاے تجارت نے کی، یہی اقتصادی جنگ اس وقت تک ۲ کرور جانین لے چکی ہے[1]، اور مال کا جتنا نقصان ہوا ہے، وہ اندازہ سے باہر ہے، پیداوار نے بالآخر خود اپنے پیدا کرنے والون کو ہضم کرلیا،

پھر یہ بھی کہا جاتا تھا کہ جدید آلات ہلاکت ومہلک سامان حرب کی دہشت ایسی دلون مین جاگزین ہو جائے گی کہ لڑائی چھیڑنے کی کسی کو ہمت ہی نہ ہوگی، لیکن اب تو تجربہ ہوگیا کہ پورے پچیس مہینون سے مالک دوزخ نے دنیا پر جہنم کے دروازہ کھول رکھے ہین، اور ہر طرح کے عذاب وعقوبت کی بارش ہو رہی ہے، بااین ہمہ آگ کے شعلہ بجاے ماند پڑنے کے اور تیز ہوتے جاتے ہین،

---

آخر یورپ کے اس صلح جو فرقہ کی کوششون کی ناکامی کا کوئی سبب بے شک اسکے اسباب ہین، جن مین سب سے پہلا سبب یہ ہے، کہ یہ ایک محض یورپین فرقہ تھا ان اقوام کا، انکے مقننون اور مدبرون کا، ان کے عمال اور ... فرمان رواؤن کا

[1] یہ تخمینہ ستمبر کا ہے، م

منتہائے مقصود امن نہ تھا امن کامل نہ تھا، بلکہ محض آپس کا امن، خودغرضانہ امن مقصود تھا
اس قسم کی جھوٹی صلح کی کوششین ہمیشہ ناکام رہین گی،

ہیگ مین انکی "عدالت صلح" بے شک قایم تھی لیکن اس عدالت کا انصاف ان شامت زدون کے لیے نہ تھا، جنکے دورافتادہ ممالک پر دندان آز تیز ہو رہے تھے اس محکمہ انصاف کے ضوابط مین ان غیر مسلح آبادیون پر فوجی تسلط قایم رکھنا ذرا بھی حقوق اقوام اور احترام تمدن کے منافی نہ تھا، جنکا رنگ سفید نہ ہو، یہ کھلی ہوئی حق تلفیان ہوتی رہین، اور کسی ایک سوشلسٹ[1] نے بھی بغاوت کا ارادہ تک نہ کیا، غرض صلح وامن کی ہر تدبیر مین یہ مقصد کبھی نظر سے نہ ہٹنے پایا، کہ ہر سلطنت کی ہوس استعمار و شوق ملک گیری کے لیے نذر ہونے کو کوئی جدید علاقہ تیار رہے، فرقۂ صلح جو نے کبھی اس جانب توجہ نہ کی، اسے اپنے محدود دایرہ سے باہر توجہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہ تھی، وہ اس حقیقت کو فراموش کیے رہا، کہ "جو شمشیر حملہ کر رہی ہے، کل اس پر بھی حملہ کیا جائے گا،

مستقل و ممکن امن صرف وہی ہے، جو سب کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین حاصل ہو جسوقت تک دنیا مین ایک قوم بھی ہدف جنگ بنی ہوئی ہے، دوسرون کو امن وسکون سے رہنا ناممکن ہے، یورپ کی یہ تمنا تھی کہ خود یورپ مین صلح رہے درآنحالیکہ یورپ ہی کی حکمت عملی دوسرے اقطاع ارض مین انسان کا خون بہاتی

[1] اشتراکی۔ یعنی اُس گروہ کا رکن جو عالم کی دولت مین مساوات و اشترک پیدا کرنے کا مدعی ہو،

رہے، آیندہ صلحنامہ پر موجودہ متحاربین کا دستخط کردینا بالکل لاحاصل رہیگا تاوقتیکہ اس پر دنیا کا باقی حصہ بھی دستخط نہ کرے، تاوقتیکہ آیندہ مجلس صلح مین عالم انسانی کی پوری نیابت نہ ہو، امن کی بخشش صرف انسانیت کے ہاتھ مین ہے، انسانیت اسے اقوام کو عطا کرسکتی ہے، بشرطیکہ اقوام اسے اپنی مجلس کا صدر بنائین،

اگر صلح منظور ہے، تو پہلے اپنے غلامون کو آزاد کرو، کہ وہ تمھارے برابر بیٹھکر گفتگو کرسکین، ورنہ صلح کا نام نہ لو،

اس سے بڑھکر یہ کہ اپنے قلوب، اپنے نفوس کو آزاد کرو، جنگ و صلح کا اصلی مبدا و ماخذ خود تمھارا قلب ہے، اگر صلح کا وجود تمھارے قلب مین نہین، تو فرقہ صلح جو کی تمام کوششین قطعاً لاحاصل ہین، جنگ پیدا ہوگی اور وہ اپنی رَو مین سب کو بہالے جائیگی،

نظامات، قوانین، محکمہ جات ثالثی، بین الاقوامی معاہدے، اقرارنامہ اور مجلسین، شرح زرمین اضافہ، اقوام کے تعلقات باہمی مین افزایش، صلح کو ترقی دینے والے اسباب وحالات...... سیل ہلاکت کی روک تھام کے لیے کتنے مضبوط بند قایم کردئے گیے تھے، لیکن جب یہ سیلاب موجزن ہوا تو تمام بند توڑتا ہوا اپنے ہمراہ بہالے گیا، بلکہ جتنے زاید یہ بند قایم کیے گئے تھے، اتنا ہی رک رک کر سیلاب کے حجم مین اضافہ ہوتا رہا، اور اسی قدر زیادہ تندی و قوت کے ساتھ اس کا بہاؤ چلا، اگر فی الواقع اسکی روک تھام منظور تھی، تو اسکے منبع کو بند کر

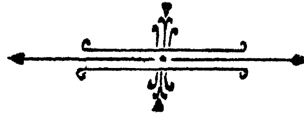
کرنا چاہیے تھا، حالانکہ یہ تمام بندشین ظاہری و خارجی تھین، لوگون نے چاہا کہ خارجی ذرائع سے امن کو وجود مین لائین، حالانکہ یہ شے ان کے بس کی نہین، امن کا مولد و منبع قلب انسانی ہے، جنگ کا منبع بھی قلب انسانی ہے، انسان کی انسانیت سے بیگانگی، انسان مین دوسرون کے مساوی ہونے کا عدم احساس، انسان کا قلب ہی وہ سرچشمہ ہے، جہان سے سیلاب خون نکل کر تمام کرۂ ارض پر جوشزن ہوتا ہے اسی سرچشمہ کو خشک کر دینے سے دنیا سے جنگ کا وجود رخصت ہو سکتا ہے، تاوقتیکہ انسان کے باطن مین، انسان کے نفس مین اصلاح نہو گی، تمام خارجی تدابیر، تمام بیرونی کوششین لاحاصل رہین گی، اور امن و صلح کے ظاہری قالب کے اندر جنگ و بدامنی کی روح حرکت کرتی رہیگی،

اب آنکھون سے پردہ ہٹ گئے ہین اور ساتھ ہی امیدون کا طلسم بھی ٹوٹ گیا ہے، قدیم حالات کو بدستور رکھنا امن کے لیے کافی نہ تھا، راضی نامہ کر لینا امن کے مرادف نہین، قدیم حالات کے فنا ہونے کے ساتھ فرقہ صلح جو کا بھی خاتمہ ہو رہا ہے لیکن اسکی یہ ناکامی آیندہ کامیابیون کے لیے بھی دلیل راہ کا کام دے رہی ہے، حصول کامیابی کے لیے اس شمشیر بے پناہ کا وجود ضروری تھا، جو ہڈیون تک پیوست ہو جاتی ہے، چنانچہ جنگ اسے تیار کر رہی ہے، یہ شعلہ شمشیر خود شمشیر قتال کو بھی خاکستر کر کے رہیگا،

وہ مقتدر جیسے بڑی بڑی سلطنتین اور بڑے بڑے ... انکے ہاتھ مین

پورا نہ کرسکے، جسکے انجام دینے مین زمانہ حال کا تمدن ناکام رہا گرجسکی تیاریان تمام گزشتہ صدیان کرتی آئی ہین۔ وہ ایک شے اور صرف ایک شے سے ابھی انجام کو پہنچ سکتا ہے آج حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ شے کیا ہے؟ انسان مین انسانیت کا احساس، جزو کو کل کا شعور،

اُسوقت انسان کے قلب سے امن عالم کی پیدایش ہوگی،



# باب ۶

## بیداری روح

ایک آواز صدیون سے آرہی ہے، یہ آواز ضمیر کی گہرائیون سے پیدا ہو رہی ہے، سب نے اسکو سنا ہے مگر اس پر کان اب تک کسی نے نہین رکھا ہے، اس آواز کو خاموش کر دینا کسی کے بس کی بات نہین یہ صدا سب سے اعلیٰ تر فرمان کی منادی کر رہی ہے کہ ہلاک نہ کرنا"

ایک دوسری صدا، صداے خوف زمین سے بلند ہو رہی ہے، آہ، جنگ کے شداید و مصائب! زبان انھین بیان کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اُف وہ جرایم و معاصی جن کو تعلق حقوق العباد سے ہے! کیا شکل انسانی کے عقب مین کوئی اژدر پوشیدہ ہے؟ ورنہ آخر اسقدر ترقی تمدن کے ساتھ اس سبعیت کا اجتماع ممکن کیونکر ہے؟

یہ واقعات ممکن کیون ہین؟ محض اس لیے کہ دنیاے متمدن کے ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤن مین مدارس موجود ہین، جہان چھوٹے بچے پڑھنے کے لیے جمع ہوتے ہین اور وہان استاد انھین روزانہ یہ درس دیتا ہے کہ انسان کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ وہ قومی اغراض کی پاسداری کرے، اور اگر قومی اغراض اسی بات کے مقتضی ہون تو اپنے ہم جنسون کا گلا کاٹنا اسکے لیے کار ثواب ہو جاتا ہے، اور اس پر اپنے حاکم کی ج

قتل کے لیے ابھارتا ہے تعمیل ارشاد زیادہ فرض ہے بہ مقابلہ اس فرمان ضمیر کے کہ "ہلاک نہ کرنا"

ہان اس لیے کہ چونکہ ہر شخص کو بچپن ہی سے اسی قسم کی تعلیم ملتی ہے، ہر قوم مین ہر شخص اسکے لیے تیار ہو جاتا ہے کہ ایک روز قاتل بنے اور اپنے بھائی کے حق مین قصائی کا کام دے اس کے بعد کوئی جرم اسکے لیے جرم نہین باقی رہ جاتا اور نوازل ومصائب جنگ کی کوئی انتہا نہین رہ جاتی،

اور آخران نوازل ومصائب کو متعین حدود کے اندر محدود رہنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہی ؟ خود ہی تو ایک جنگلی درندہ کو آزاد چھوڑ دیتے ہو اور پھر اس سے یہ توقع کرتے ہو کہ وہ انسانیت کے حدود مین رہیگا! بلکہ جنگ کا اس حد تک وحشیانہ وبہیمانہ ہو جاتا تو بہت اچھا ہوا، کہ بغیر اسکے انسان کے دل مین اسکی طرف سے نفرت ہی نہین پیدا ہو سکتی تھی، انسان کے دل مین ابتک قتل انسانی کی عزت تھی، لیکن جتنی چیزین اسکی نظر مین جنگ کو زیادہ وحشیانہ ثابت کر رہی ہین، وہ در اصل اُس روز سعید کی آمد کو قریب لاتی جاتی ہین، جب قتل انسانی کے جواز کا امکان نہ باقی رہیگا، اور قدیم جنون رخصت ہو چکا ہو گا،

---

قتل حرام ہے ہر حالت اور ہر صورت مین حرام ہے، جب یہ قطعی فتوی صادر ہو جائے گا اسوقت دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو گا،

جسوقت تک اس ثبوت مین استثنا کی کوئی صورت باقی ہے، جسوقت تک یہ خیال قایم ہے کہ بڑی بڑی باضابطہ مرتب کر کے قتل کرنا جایز ہے، جسوقت تک یہ وہم موجود ہے کہ جماعات کا قتل افراد کے قتل سے مختلف بلکہ ایک عمل شریفانہ ہے اور جسوقت تک یہ اعتقاد باقی ہے کہ تنخواہ پانے والون اور وردی پہننے والون کے پاس دوسرون کی جان لینے کے لیے پروانہ جواز ہے، اُسوقت تک جنگ کا وجود بھی برقرار رہیگا اور جنگ بھی مع اپنی تمام شقاوتون کے۔

جسوقت تک متمدن افراد کے نفوس مین قاتلانہ عظمت کا احساس زہریلی تعلیم کے اثرات سے پیدا شدہ باقی ہو جسوقت تک اصول اخلاق اہم ترین بد اخلاقی مین معین ہو رہے ہین جسوقت اساتذہ و معلمین اپنے تلامذہ کے دل و دماغ پر محاربات اور معرکہ آرائیون کی عظمت و شوکت کے نقوش بٹھا رہے ہین جسوقت تک اس اُم الجرایم کو جرم و معصیت کی حیثیت مین نہین لایا جاتا اور قتل و خون ریزی کو بد ترین معصیت کی شکل مین نہین پیش کیا جاتا، جسوقت تک یہ صورت حال باقی ہو اُسوقت تک باہمی قتل و ہلاکت کی لعنت اپنی تمام شقاوتون اور بیدردیون کے ساتھ قومون پر مسلط رہیگی،

اس سے بھی بڑھکر ستم یہ ہے، کہ مدارس مین زبانی اسباق کے علاوہ ان چیزونکی عملی تعلیم بھی دی جاتی ہے، سب سے پہلے تو اسکی مثال ہمارا قانون معاشری ہی پیش کرتا ہے جسوقت تک قانون، نفس بشری کی عظمت اور حیات انسانی کا احترام مجرمون تک مین نہ تسلیم کرے گا، جسوقت تک تعزیرات کا نفاذ خود جرایم کی شکل مین

ہوتا رہیگا جسوقت تک کسی خونی کے پوشیدہ جرم کے جواب مین دوسرا خون علانیہ اور بکمال بیدردی کیا جاتا رہیگا، اسوقت تک اس خون کی چھینٹین جیسے جلاد کی جنبش شمشیر نے بہایا ہو بارش کے قطرات بن کر تمام عالم پر برستی رہین گی اور خونی کو جو قتل کی سزا دی جاتی ہو اس سزا کی سزا مین جنگ کا دیوتا لاکھون بے گناہون کی جان لیتا رہیگا،

یہ وہ پیام جنگ ہے، جو انسانیت تمام اقوام کو دے رہی ہے،

وہ دن آنے والا ہے، جب ان چیزون کا خاتمہ ہوگا، اس لیے کہ "ہلاک نہ کرنا" کی صدا اب کسی غیر کی، کسی باہر والے کی صدا نہین رہی ہے، یہ صدا خلقت کے قلب کو بلند ہو رہی ہے، انسانیت کا یہ پیغام اب نفوس مین زندہ ہو رہا ہے، اور دنیا کو ایک نئی ہدایت کر رہا ہے، اسکی تعلیم ایک بلند تر فرض، فریضۂ انسانیت کی تعلیم ہو، سیکڑون ہزارون برس مین انسان نے اتنا سیکھا کہ قوم و ملک کے حقوق، خاندان کے حقوق سے افضل و برتر ہین، محبت وطن کا مرتبہ خاندان سے بڑھا ہوا ہے، اور وطن کی خدمت پر اپنی جان اور اپنے خاندان کو قربان کر دینا چاہیے، اب ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہیے اب اسے یہ تعلیم حاصل کرنا چاہیے کہ حقوق انسانیت، حقوق وطنیت سے بھی بالاتر ہین، اور محبت خلق کا مرتبہ محبت وطن سے کہین بڑھکر ہے، انسان کو اپنی جان بے شک قربان کرنا چاہیے۔ مگر اس شئے پر نہین مرنا کہ اسکے وطن کو کوئی بات حاصل ہو، بلکہ اس شئے پر کہ عالم انسانی مین اسکے وطن کو

کوئی مرتبہ حاصل ہو،

جون جون انسان کے دل مین اس وطن اعظم کا خیال راسخ ہوتا جائیگا، اسی مناسبت سے اس مین انسانیت کا درد واحساس بھی بڑہتا جائیگا،

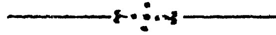
انسان حقیقۃً صرف وہ ہے جس مین انسانیت کا احساس موجود ہے، جس کا قلب یہ آواز دیتا رہتا ہے، کہ "مین پہلے انسان ہون، اور اسکے بعد انگریز، جرمن، روسی یا جاپانی ہون، محب وطن ہونے سے پیشتر مین انسان ہون، میرا سب سے مقدم فرض انسانیت کا ہے، اسکے بعد کسی ملک کے باشندہ ہونے کا"

قانون انسانی کی سب سے اہم دفعہ یہ ہے، کہ ہر شے پر انسانیت اور حیات بشری کا احترام مقدم ہے، اور انسان کے لیے سب سے بڑی شریعت یہ ہے کہ "ہلاک نہ کرنا"

اپنے ملک کے لیے جان دیدینا، بہ مقابلہ اپنے خاندان کے لیئے زندہ رہنو کے بےشک ایک بڑی بات ہے، لیکن اپنے ملک کے لیے جان دینے سے بڑھکر یہ بات ہے کہ کسی دوسرے کی جان نہ لی جائے، کسی حالت مین اور کسی موقع پر بھی،

اسی جنگ کے دوران مین ایسے اشخاص نکلے ہین، جو اس معیار انسانیت پر بالکل پورے اترے ہین، انھون نے اپنی جان دیدینا قبول کیا، لیکن دوسرے کی جان لینا گوارا نہ کیا، وہ قلب پاکیزہ اور غیر خون آلودہ ہاتھون کے ساتھ دنیا سے اٹھ گئے، وہ انسانیت کی روح مین شامل ہو گئے ہین، اور اسی کے ساتھ ابدالآباد تک زندہ

رہین گے،



انسانیت ایک زندہ وجود ہے، وہ نابینا ہین، جو اسے محض ایک لفظ سمجھتے ہین، افراد و اقوام کی طرح وہ ایک حقیقی وجود رکھتی ہے، اور اپنے وجود کا احساس رکھتی ہی، خواہ اقوام و افراد اسکے وجود سے بیخبر ہون، سب کی اصلی مان وہی ہے جو اپنے بطن سے سب کو پیدا کرتی ہے، اپنے آغوش مین سب کی پرورش کرتی ہے، اور جس کے اوپر سب کی زندگی کا انحصار ہے، یہ اسی کی قوت ہے جو اقوام مین زندگی قایم کئے ہوئے ہی یہ اسی کا خون ہے جو سب کی رگون مین دوڑ رہا ہے،

یہ زندہ ہستی ایک زندہ جسم بھی رکھتی ہے، اور مختلف اقوام اسکے مختلف اعضا ہین جو بہ لحاظ تعلقات ایک دوسرے سے بالکل پیوستہ ہین، اس کا قلب زندہ ہے، مگر اسوقت افراد کے قلوب مین سو رہا ہے، اس لیے کہ ابھی ان مین عام محبت کا جذبہ نہین پیدا ہوا ہے،

وقت آگیا ہے کہ اس زندہ جسم کا ایک غور و فکر کرنے والا دماغ بھی پیدا کیا جائے اور اسکے لیے ضرورت ہے کہ ہر قوم کے وہ افراد یکجا ہون، جو گویا انسانیت کے دماغ سی سوچتے رہتے ہین، آیندہ اقوام کی رہنمائی و سرداری انھین کے ہاتھ مین ہو گی،

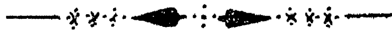
جب شہرون کی طاقتون نے مجتمع ہو کر اقوام موجودہ کی تخلیق کر دی، اور ان سی عجائب و غرائب کا ظہور ہونے لگا، تو جسوقت سارے عالم انسانی کی قوتین یکجا و متحد

ہو جائین گی، اسوقت معلوم نہین کن کن معجزات کا ظہور ہونے لگے گا، اسوقت جبکہ انسانیت مین تنظیم پیدا ہو چکی ہو گی، جبکہ انسانیت خود اپنی قسمت کی مالک ہو چکی ہو گی، جبکہ وہ اپنی موجودہ ادنیٰ زندگی کی بندشون سے آزاد ہو چکی ہو گی، اوسوقت وہ "انسان جدید" کو پیدا کریگی جسکی آمد کا فطرت کو انتظار ہے، اوسوقت موجودہ پُرارمان خوابون کی تعبیر نکلےگی،

اے دیوانہ انسان! تو آج اپنا گوشت اپنے ہاتھون نوچ رہا ہے، اپنے ہاتھون اپنی قبر کھود رہا ہے، وقت آگیا ہے کہ تیرے امراض کو شفا ہو جائے، اور تیرا شعور و احساس بیدار ہو جائے،

اے اقوام! تم آج اس سے بے خبر ہو کہ ایک ہی جسم کے مختلف اعضا ہو، تم آج ایک دوسرے کی خون ریزی مین مصروف ہو، وقت آگیا ہے کہ تمھین اس باہمی مقاتلہ سے نجات ملے، اور تم مین یہ احساس پیدا ہو جائے کہ تم سب ایک روح اور ایک قالب ہو، اپنے مین انسانیت کا احساس بیدار کرو،

اور اے روح ربّانی، تو اسوقت افراد و اقوام سب کے نفوس مین حالت خواب مین ہے، تیری بیداری کا وقت آگیا! اب بیدار ہو، بیدار ہو،



# تبصرہ

از

مؤلف

# باب ۱

## امن کا مفہوم

پیام امن کی منادی ایک نرالے فلسفی کی زبان سے ہو چکی، لیکن چشم تصور دیکھ رہی ہے کہ بعض چہرون پر بجاے تسکین واطمینان کے اب بھی شک وتذبذب کے آثار نمایان ہین ممکن ہے، اسکا باعث تقریر کا اجمال اور صحبت کا اختصار ہو، اگر ایسا ہے تو صحبت کی عمر کچھ دیر کے لیے بڑھائی جا سکتی ہے، صفحات آیندہ مین اسکی کوشش کی جائیگی کہ جو گرہین ابتک باقی رہ گئی ہین انھین بھی کھول دیا جاے،

منطقی حیثیت سے اس بحث مین تنقیحات ذیل قایم ہوتی ہین

۱ امن کی تعریف کیا ہے؟

۲ نقض امن کے کیا کیا محرکات واسباب ہوتے ہین؟

۳ حصول امن کی کوششین ابتک کیون ناکام رہین؟

۴ کیا اب کسی طریقہ سے کامیابی ہو سکتی ہے؟

ابواب آیندہ ترتیباً انھین سوالات کا جواب دین گے، ان کے بعد مسئلہ پر ایک مذہبی نظر ہوگی، رفع شکوک وتوضیح مطالب کے لیے دیباچہ مین چند سطرون کی جگہ نکالی گئی ہے

امن کی تعریف، بہ پابندی قواعد منطق، مرتب کرنا دشوار ہے، لیکن دشواری سے قطع نظر کرکے یہ کوشش لا حاصل بھی ہے، اسلیے کہ ذہن ان تصورات مجردہ کا مفہوم انکی منطقی تعریفات کی بنا پر اخذ ہی نہین کرسکتا، ایسی چیزون کی شناخت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انکے اضداد ان کے سامنے لائے جائین، تاکہ دونون کی خصوصیات کے تضاد و تقابل سے ذہن از خود ایک مفہوم اخذ کرلے،

تاریکی کا اگر تجربہ نہو تو روشنی کا لفظ بے معنی ہے، تندرستی کی شناخت اپنی ضد بیماری ہی کے باعث ہوتی ہے، بدصورتون سے اگر واقفیت نہو تو حسن کا کوئی مفہوم ذہن مین نہ پیدا ہوگا، ٹھیک اسی طرح امن کا مفہوم صرف اسی وقت سمجھ مین آسکتا ہے جب بدامنی سے اس کا تقابل کیا جائے،

جنگ اپنے وسیع معنی مین بدامنی کے مرادف ہے، جو مفہوم بدامنی کا ہے ٹھیک ٹھیک وہی معنی جنگ کے بھی ہین، لیکن جنگ اپنے محدود معنی مین بدامنی کی ایک خاص صورت کا نام ہے، جنگ و بدامنی اصولاً دو جداگانہ و ممتاز چیزین نہین، فرق صرف یہ ہے کہ عام بدامنی کسی اصول یا ضابطہ کے ماتحت نہین ہوتی، اور جنگ اپنے متعین قواعد و ضوابط رکھتی ہے، گویا بدامنی کی نسبتہً شایستہ صورت کا نام جنگ ہی،

دیکھنا یہ ہے کہ حالت جنگ کے خصوصیات کیا کیا ہوتے ہین،

۱ جنگ کی سب سے پہلی اور بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ قوت فیصلہ زبان شمشیر کو حاصل ہو جاتی ہے، مناقشات کا فیصلہ حق و ناحق کی بنا پر نہین بلکہ فریقین کی قوت و طاقت

کی بنا پر ہوتا ہے، یا کم از کم یہ کہ کوشش اسی کی کی جاتی ہے،

۲- بہت سے اعمال جن کا ارتکاب عموماً اخلاقی حیثیت سے معاصی کے درجہ مین رکھا جاتا ہے حالت جنگ مین جائز ہو جاتے ہین، خون ریزی، تشدد، مکر، خیانت زناکاری، یہ تمام اعمال جو عموماً ذمایم اخلاق کے انتہائی نمونہ سمجھے جاتے ہین، حالت جنگ مین انکا ارتکاب فریق مخالف کے مقابلہ مین نہ صرف جایز بلکہ اکثر صورتون مین واجب قرار پاجاتا ہے،

۳ اتحاد و اشتراک جو حیات اجتماعی کے لیے بمنزلہ بنیاد کا رہے حالت جنگ مین بے اثر ہو جاتا ہے، اور اسکی جگہ انتقام و مخالفت کی قوتین لے لیتی ہین، اتحاد و اشتراک ظاہر ہے کہ بالکل فنا نہین ہو جاتا، بلکہ حالت جنگ مین بھی ایک فریق کے مختلف اجزاء اپنے مین لازماً قایم رکھتے ہین، لیکن اس اتحاد و اتفاق کا منشا صرف اسقدر رہتا ہے کہ فریق مخالف کی تخریب و بربادی مین زیادہ سہولت ہو،

ان کے علاوہ حالت جنگ کے اور بہت سے خصوصیات ہوتے ہین، مثلاً افراد عموماً جو اپنی تعلیمی، معاشری، اجتماعی و اخلاقی ترقی مین مصروف رہتے ہین، یہ مشاغل اسوقت بالکل معطل ہو جاتے ہین وقس علی ہذا لیکن حالت جنگ کے اساسی مظاہر یہی تین ہوتے ہین جو اوپر درج ہوئے، ان کے مقابلہ مین نمایان خصائص امن حسب ذیل ہین،

۱- فصل خصومات کی بنا قوت و طاقت نہین بلکہ حق و استحقاق ہوتی ہے اور کوشش یہ رہتی ہے کہ قانون کا فیصلہ ناطق رہے جسکے سامنے اعلی و ادنی قوی و ضعیف سب کو

یکسان گردن اطاعت خم کردینا پڑے،

۲- ایسے افعال جن سے دوسرون کی جان ومال، عزت وناموس، کسی شئے کی حق تلفی ہوتی ہو، جرایم سمجھے جاتے ہین، اورانکے لیے سخت سزائین مقرر رہتی ہین،

۳- حیات اجتماعی کی ساری مشین کی گردش اتحاد واشتراک کے محور پر ہوتی رہتی ہے، مدرسہ، میونسپلٹی، بینک، کارخانہ، تجارت گاہین، تماشہ گھر، ان مین سے ہر شئے اپنے وجود کیلئے اسکی محتاج ہے کہ افراد باہم اتحاد واشتراک اسکے لیے آمادہ ہون،

امن وجنگ کے یہ فروق خارجی ظاہری حیثیت سے تھے، لیکن ہر ایسی شئے جس کا تعلق انسانی نفس وکردار سے ہے، اپنے کچھ داخلی ونفسی خصوصیات بھی رکھتی ہے، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ حالت امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو حالت سکون واطمینان مین رکھتا ہے، اسے دوسرون سے خواہ مخواہ بغض وعداوت نہین ہوتی اور ہر شخص با اطمینان ان مشاغل مین مصروف رہتا ہے جن سے وہ اپنی فلاح وابستہ سمجھتا ہے، بخلاف اسکے حالت جنگ مین انسان اپنے تیئن ہنگامہ آرائیون مین محصور پاتا ہے انتقام وبرہمی کے جذبات اسکے دل مین مشتعل رہتے ہین اور سکون قلب وطمانیت خاطر کا اپنے گرد نشان تک نہین پاتا،

گویا امن نام ہے اس حالت کا جس مین داخلی حیثیت سے انسان سکون خاطر محسوس کرتا ہے، اور خارجی حیثیت سے جس مین قانون وآئین کی عملداری ہوتی ہے

امن کی اس تعریف سے ایک ضمنی مسئلہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عالمگیر امن ممکن العمل ہے، درآنحالیکہ عالمگیر جنگ سرے سے ممکن العمل ہی نہین، ایسی حالت کے فرض کر لینے مین کم از کم کوئی منطقی استحالہ یا تناقض نہین لازم آتا، کہ بلا استثنا، دنیا کا ہر شخص ایک دوسرے کی امداد و اعانت، شرکت وخدمت اپنا فرض سمجھنے لگے، اور اپنے ہر عمل مین دوسرے کی ضروریات وآسایش کو اپنی ضروریات وآسایش پر مقدم رکھنے لگے، ایسی صورت فرض کرنے سے نظام عالم مین کوئی خلل تصور مین نہین آتا، بخلاف اسکے جنگ کی پوری طور پر عالمگیری تصور مین بھی نہین آ سکتی۔ خوب غور کرو کہ اگر ہر ہستی بشری، دوسری ہستی بشری کی دشمن ہو جائے۔ اگر بھائی بھائی کو، باپ بیٹے کو، ماں بیٹی کو قتل کرنے لگے تو کائنات انسانی کی زندگی کتنی دیر کی مہمان رہ سکتی ہے، نظام کائنات کا قیام اور جنگ کی کامل عالمگیری یہ دونون تصورات باہم متناقض ہین،

آیندہ صفحات مین حصول امن کی تدابیر وغیرہ پر جو گفتگو ہوگی وہ سب امن کے اسی معنی کے لحاظ سے ہوگی، لیکن معترض کہ سکتا ہے کہ امن کا وجود دنیا مین ہے کہان؟ جن ممالک مین جن زبانون مین امن سمجھا جاتا ہے وہ بھی مصرحہ بالا معنی مین امن سے خالی نظر آتے ہین، یعنی جو ممالک مشغول جنگ نہین ہین ان مین بھی صدہا کارروائیان ہر وقت ایسی نظر آئین گی جو امن کامل کے منافی ہین حکام کا ظلم، رعایا کی شورش، آپس کی مخالفت، ایک دوسرے کی مزاحمت، ان چیزون سے دنیا کا بہتر سے بہتر ملک بھی کب خالی ہے؟ پس ایک وہمی وخیالی شے کے حصول کی کوشش جو دنیا مین اب تک

غیر موجود رہی ہے، کون سی دانشمندی ہے،

لیکن معترض نے اس پر غور نہین کیا، کہ انسان جس کسی غایت یا مطمح کے حصول کے درپے رہتا ہے ان مین سے کسی ایک تک بھی اسکی رسائی پوری طرح نہین ہوسکتی تاہم اسکے لیے سعی وکوشش اسکی فطرت مین داخل ہے صحت جسمانی کے لیے کوئی کامل نمونہ آج انسانی آبادی مین موجود نہین ہے بڑے سے بڑے تندرست شخص، بڑے سے بڑے طاقتور پہلوان کی صحت مین بھی کسی نہ کسی حیثیت سے کچھ نقص یقیناً پایا جاتا ہے، باین ہمہ ہر شخص صحت کی تلاش مین رہتا ہے، حُسن کامل دنیا کے لیے عنقا ہے، حسین ترین ہستی بھی کوئی نہ کوئی عیب ضرور رکھتی ہے، تاہم حسن کی تلاش کو کوئی شخص مہمل نہین قرار دیتا کامل نیکی کا بلا استثنا بدی سے پاک وجود دنیا مین ہر شخص محال تسلیم کریگا، تاہم ہر شارع مذہب، اور ہر حکیم اخلاق دنیا کو اسی کی دعوت دیتا ہے،

غرض کسی مطمح (آئیڈیل) کا تمام انسانی دسترس مین نہ آنا اس کا باعث نہین ہوسکتا کہ سرے سے اسکے حصول ہی کا خیال چھوڑ دیا جائے، بلکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ اس ناقص دنیا مین اپنے ناقص قویٰ کی مدد سے جس حد تک بھی اسکا حصول کرسکے اسکی سعی مین مصروف رہے اور اس لحاظ سے تلاش امن اسی قدر معقول ضروری، اور مقتضائے فطرت ہے جس طرح صحت کی فکر، حسن کا ذوق، اور حسن عمل کی سعی۔

# باب ۲

## نقص امن کے اسباب

فلسفہ فطرت کا یہ ایک عجیب قانون ہے کہ جو شے انسان کے لیے سب سے زیادہ موجب برکت و باعث فلاح ہوتی ہے، یا جو نفس بشری کے لیے سب سے زیادہ دلکشی و محبوبیت رکھتی ہے، عملاً اسکا حصول اسی قدر دشواریوں سے لبریز، اور موانع ومشکلات سے پُر ہوتا ہے، صحت سے بڑھکر انسان کس شے کا حریص ہو سکتا ہے؟ لیکن کیا کوئی بڑے سے بڑا با احتیاط شخص بھی ایسا ہے جو اصول حفظ صحت کی پوری پوری پابندی کرتا ہے؟ نیکی سے عزیز تر کونسا مادہ سعادت انسان کے لیے ہو سکتا ہے؟ با این ہمہ اس منزل کے کتنے راہرو ایسے ہیں جو باوجود ثبات عزم، قدم قدم پر ٹھوکریں نہیں کھاتے

امن وامان بھی اسی قبیل سے دنیا کی ایک بزرگترین نعمت ہے، کیونکر ممکن تھا کہ اسکے راستہ مین پھولون کا فرش ہوتا؟ یہی باعث ہے کہ جسوقت سے تاریخ کا وجود ہے کوئی زمانہ، کوئی دور، ضبط امن کامل کے نمونہ کے نہیں پیش کیا جا سکتا، اس تین چار ہزار سال کی مدت مین جب سے کہ منضبط ومستند تاریخ انسانی موجود ہے چشم کائنات ترقی تمدن کے بیسیون دلفریب مناظر دیکھ چکی ہے، چین و ہندوستان، مصر و ایران، روم و یونان، عرب و یورپ، سب اپنی اپنی نوبت مین علوم وفنون کے مرکز، فلسفہ و حکمت کے سرچشمہ اور تہذیب و شائستگی کے قبے رہ چکے ہین لیکن ان مین کو

ہر ایک کی تاریخ ایک داستان خونین ہے، اور ہر قوم کی سرگذشت ایک مرقع جدال وقتال ہے، دریودھن کی ستم آرائی، سکندر کی ملک گیری، دارا کی جاہ پرستی، نیرو کی بہیمیت، جولیس قیصر کی خون آشامی، یزید کی شقاوت، چنگیز کی جہانسوزی، ہلاکو کی سفاکی اور موجودہ یورپین سلطنتون کی حشر انگیزیان، تاریخ عالم کے استثنائی واقعات نہین، دفتر کائنات کا ایک ایک صفحہ نسل انسانی کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے، اور سطح ارض کا چپہ چپہ بیشمار نفوس انسانی کے قتل و ہلاکت کا تماشا گاہ ہے،

اس امن شکن صورت حال، اس قتل و خونریزی کے تسلسل کے اسباب، اگرچہ صدہا ہو سکتے ہین، لیکن ہماری زبان مین ان سب کے لیے ایک جامع مقولہ "زر، زمین، زن" کا ہے یعنی دنیا مین جتنے بھی مناقشات پیدا ہوتے رہتے ہین، سب کی تہ مین انھین اسباب ثلثہ مین سے کوئی نہ کوئی شئے بنا مخاصمت ہوتی ہے اور تاریخ و تجربہ کی طرف رجوع کرنے سے اس مقولہ کی صحت و صداقت مین مطلق شبہ نہین رہ جاتا،

نفسی حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو اسباب نقض امن اور محرکات قتال مین اولاً تو ا کی فہرست کے عنوانات جلی حسب ذیل نکلین گے، جو تاریخ کے ہر دور اور روئے زمین کے ہر خطہ سے متعلق یکسان حاوی ہون گے،

۱ جذبۂ انتقام، ملکی جنگ وجدل کا ایک بڑا سبب ابتک قومون کا جذبہ انتقام رہا ہے ایک قوم جب اپنی جگہ پر یہ سمجھنے لگتی ہے، کہ دوسری قوم نے کسی معاملہ مین اسکے

ساتھ زیادتی یا اسکی حق تلفی کی ہے تو یہ خیال اسے چین سے نہین بیٹھنے دیتا، بلکہ برابر انتقام کے لیے اُکساتا رہتا ہے، یہان تک کہ زمانہ کے انقلابات کبھی نہ کبھی اسکی مساعدت کر کے اسکے لیے اس جذبہ کی تسکین کے مواقع بہم پہنچا دیتے ہین اور وہ ظالم قوم سے دل کھول کر بدلہ لیتی ہے، لیکن اب یہ دوسری قوم اپنے تئین مظلوم سمجھنے لگتی ہے اور وہ اس سے انتقام لینے کی فکر مین لگی رہتی ہے، اور اس طرح یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہین ہوتا، مسلمانون کے دور گزشتہ مین اموریہ، عباسیہ، فاطمیہ، قرامطہ، باطینہ، ہر خاندان اور ہر فرقہ اپنے تئین مظلوم اور اپنے حریف کو ظالم قرار دیتا رہا، حال کی عالمگیر جنگ مین جتنی حکومتون نے حصہ لیا، ان کے سرکاری بیانات کو پڑھو تو ہر حکومت یہی کہتی ہوئی سامنے آتی ہے کہ "جنگ کی ابتدا ہمارے فلان حریف نے کی اور ہم نے تو محض دفاع مظالم کے لیے تلوار ہاتھ مین لی"، جرمنی، آسٹریا، روس، انگلستان، فرانس، اٹلی، امریکہ سب کے بیانات کا خلاصہ اپنی مظلومیت و مجبوری اور اپنے حریفون کی دراز دستیون کی افسانہ خوانی ہی نکلتا ہی،

پھر اگر انتقام لینے کی حالت مین بھی عدل ملحوظ رہے تو خونریزیون کا سلسلہ نامتناہی نہین ہوسکتا، لیکن ستم یہ ہے کہ ہر فریق غلبہ کے وقت عوض و معاوضہ کے جایز حدود سے متجاوز ہوکر فریق مغلوب پر طرح طرح کے شدائد نازل کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح انتقام کا دورہ برابر قایم رہتا ہے، اور یہ سلسلہ ٹوٹنے نہین پاتا،

۲- خواہش ناموری، ہر زمانہ مین بعض سلاطین یا ارکان سلطنت یا سرداران فوج کے سرون مین یہ سودا سمایا رہتا ہے، کہ وہ جسقدر ممالک مسخر کرینگے، اسی قدر انھین اپنے

ہم عصرون مین ناموری اور صفحات تاریخ مین عظمت حاصل ہو گی، سکندر، جولیس سیزر، چنگیز، تیمور، ہنیبال، نپولین، بسمارک، کلایو، ڈلہوزی، کچنر، ہنڈنبرگ، برنہارڈی، اسی طبقہ کے مشاہیر ہوئے ہین، اور یہ حضرات اپنی جو خونین یادگارین چھوڑ گئے ہین، انھین انسانیت اپنی زندگی بھر نہین فراموش کرسکتی، اس قبیل کے اشخاص سے کوئی تاریخی دور بالکل خالی کبھی نہین رہا تاہم مختلف ادوار مین اس لحاظ سے فرق مراتب رہا کیا ہے اور جس زمانہ مین یہ خبط جتنا زیادہ شائع رہا ہے، وہی زمانہ اپنے نقوش انسانیت کی تاریخ مین خون کے حروف سے ثبت چھوڑ گیا ہی،

۳ توسیع مملکت قومی، ہر ملک مین ایسے سیاسی اشخاص کی کچھ تعداد بھی ہمیشہ موجود رہتی ہے جو قومیت کے خیال کو انسانیت کے خیال سے بالاتر کہتے ہین اور جنکے ضابطہ اخلاق مین قومی اغراض کے لیے کذب و ناراستی ڈپلومیسی یا مصالح ملکی کے نام سی بالکل جائز ہی یہ لوگ اپنی قوم کی فلاح و ترقی اسی مین مضمر سمجھتے ہین، کہ جہان تک ممکن ہو اپنی قومی حکومت کی حدود کی توسیع کرتے رہین اور جس ذریعہ اور حیلہ سے بھی ہوسکے دوسری قومون کو اپنی قوم کا غلام اور دوسرے ملکون کو اپنے ملک کا محکوم بنایا جائے، اسوقت جو "قومیت" و "قوم پرستی" کے جس غلغلہ سے فضائے کائنات گونج رہی ہے اس نعرہ مین گرم جوشی اور اس آواز مین بلندی پیدا کرنے والا عنصر یہی ذوق ملک گیری ہے، اور اسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ جب دو قومون کی قومیتین باہم ٹکراتی ہین تو اس تصادم کا آخری فیصلہ محض دست و بازو کے زور سے ہوتا ہے، انگلستان پر جو اسوقت قومیت کی دھن سوار ہے

اس مین اسکو مطلق نہین نظر آتا کہ کتنی ضعیف و پست قومین پامال ہوئی جاتی ہین۔ جرمنی کو جب وطنیت کا نشہ تیز ہوا تو اسے بالکل نہ یاد رہا کہ اس دیوی کے آگے بیشمار نفوس انسانی کی بھینٹ چڑھائی پڑیگی،

۴- ہوس زر، ہر قوم اپنے تئین دولت و تمول کا پورا حقدار سمجھتی ہے، اور جب وہ دیکھتی ہے کہ دوسری قوم اسکے مقابلہ مین بدرجہا زاید باثروت و دولتمند ہے، تو رشک و حسد کا جذبہ اس مین موجزن ہوتا ہے، پھر اگر اس قوم کو اپنی قوت پر اعتماد ہے تو ان جذبات پر عمل بھی شروع کر دیتی ہے، جاپان کے لیے اس کی برداشت ناممکن ہے کہ اسکی تجارتی دولت مین امریکہ شرکت کرے، علی ہذا امریکہ اسے کسی حالت مین گوارا نہین کر سکتا کہ جاپان اسکے زیر اثر بازارون مین اپنا اثر قائم کرے۔ جرمنی، انگلستان، فرانس، اٹلی کی باہمی رقابتین تمامتر اسی ہوس زر کا ثمرہ ہین، یہ جذبہ اگرچہ ہمیشہ سے اقوام کے باہمی تعلقات مین قوی رہا ہے لیکن دور جدید مین اسکی قوت بدرجہا بڑھ گئی ہے، موجودہ تمدن جو تجارتی تمدن ہے بغیر تاجرانہ مسابقت اور دوکانداراںہ رشک و حسد کے زندہ نہین رہ سکتا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اشیاء تجارت کی قیمتون مین جتنی گرانی ہوتی جاتی ہے اسی تناسب سے انسانی زندگی کی قیمت ارزان ہوتی جاتی ہے،

۵- تعصب، ایک اور شے جو تاریخ عالم مین صدہا محاربات کا باعث بن چکی ہے اقوام کا تعصب مذہبی ہے، مذہب کی حقیقی تعلیمات کے بالکل برخلاف عموماً ہر مذہب کے

پیرو دوسرے مذہب کے پیروؤن کو عداوت ونفرت کی نگاہون سے دیکھتے ہین، اور
ہر وقت اس فکر مین لگے رہتے ہین کہ جس طرح ممکن ہو انھین نیچا دکھا کر اپنے مذہب کا عَلم بلند
کیا جائے گویا یہ بھی کسی مذہب کی صداقت کی ایک دلیل ہو سکتی ہے، کہ اس نے اپنے ہم
مختلف عقیدہ رکھنے والون کو اتنی بڑی تعداد مین اور اس بیدردی کے ساتھ پامال کیا!
بادی النظر مین یہ معلوم ہوتا ہے، کہ موجودہ تمدن نے اس جذبہ کو فنا کر دیا ہے، اور بظاہر
اب مذہبی محاربات کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، لیکن دراصل یہ جذبہ فنا نہین ہوا ہے،
زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ شرارے اب زیر خاکستر رہنے لگے ہین،
لیکن اب بھی جب کبھی جذبات کی ہوا زور پکڑتی ہے، تو معاً یہ شعلہ بلند ہو کر آسمان سے
باتین کرنے لگتے ہین، اور سچ یہ ہے کہ دنیا مین اب تک جتنی خونریزیان تعلیمات مذہب کے
غلط معنی لیکر اور نفس کی خباثتون کو مذہب کا جامہ پہنا کر کی گئی ہین اتنی شاید کسی دوسرے
مؤثر کے ماتحت نہ ہوئی ہون،

یہ وہ چند متعین اسباب ہین جن مین سے ایک یا چند اب تک ہر نقض امن کے باعث
و محرک ہوتے رہے ہین، دنیا مین آج تک جتنی خونریزیان اور جنگین ہوئی ہین، ان سب کی
تہ مین ہمیشہ یہی اسباب کام کرتے ہوئے نظر آئین گے لیکن ان سب سے برتر، اہم تر ایک عام
سبب خود موجودہ تمدن بھی ہے، اور جب تک موجودہ تمدن کا وجود قایم ہے سلسلہ جنگ کا
قایم رہنا بھی ناگزیر ہی،

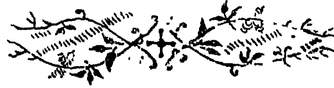
یہ دعویٰ بظاہر حیرت انگیز معلوم ہوگا، لیکن تھوڑے تامل کے بعد اس کی صداقت

ازخود واضح ہو جائیگی، تمدن جدید کے جتنے عناصر ترکیبی ہین تحلیل کرکے دیکھو توان مین سے کوئی
بھی عنصر ایسا نہ ملے گا، جو براہ راست یا بالواسطہ جنگ وجدل، حرب وضرب کے نیتجہ تک
پہنچانے مین معین نہوتا ہو، اس مادی تمدن کی ساری گرم بازاری صنعت وحرفت کی ترقی
اور تجارتی کاروبار کے پھیلاو پر ہے، لیکن یہ مقصد بغیر اسکے حاصل ہونا ممکن نہین کہ مصنوعات
ملکی کے لیے ملک سے باہر بازار اور منڈیان ہون ، یہین سے باہمی رقابت وکشمکش شروع
ہوتی ہے، اور اس کا آخری فیصلہ توپون کی گرج اور تلوارون کی جھنکار کرتی ہے، انگلستان
وجرمنی کی عداوت کی اصلی بنیاد کیا تھی ؟ محض تجارتی رقابت، امریکہ وجاپان کے تعلقات
مین کیون روز افزون تلخی پیدا ہوتی جاتی ہے ؟ صرف اس لیے کہ ایک دوسرے کو دکاندارانہ
حیثیت سے اپنا حریف سمجھتا ہے،

سائنس کی ترقی، عجیب وغریب آلات کا اختراع، اور جدید وسایل سفر کا انکشاف،
تمدن جدید کے زرین کارنامے ہین ان مین سے کون سی شے ایسی ہے جو گزشتہ ہولناک
جنگ کو مہیب تر بنانے مین براہ راست معین نہین ہوئی، یا آئندہ کی دہشت انگیزیون مین اضافہ نہین کر رہی ہے ؟
تکلفات کو لوازم حیات مین داخل کر لینا، اور اخلاق کے نصاب درس سے قناعت
وتوکل کے ابواب کو مردود کرکے حرص ونفس پرستی کو بلند نظری وحوصلہ مندی کے نام سے معیار کمال اخلاقی قرار دینا او
دوسری طرف ضروریات زندگی کی ناقابل برداشت گرانی اور سامان معیشت کی نایابی، یہ حالات
اگر بد امنی وخونریزی نہین تو اور کس منزل کی طرف لیجانے والے ہین ؟

قیاس واستدلال سے قطع نظر کرکے خود تاریخ کا کیا فتوی ہے، ہندوستان کے

ست ۔ ن کا خاتمہ کس چیز نے کیا؟ یونانی تمدن کی زندگی کس شے نے ختم کی؟ رومی تمدن کو
س شے نے ہلاک کیا؟ سب کا مشترک جواب اغیار سے محاربات اور باہمی خانہ جنگیوں
ین ملیگا، آج یورپ جس آلہ سے خودکشی کر رہا ہے وہ بجز جنگ وخونریزی کے اور کیا ہے؟
ر آن حالیکہ جرمنی وانگلستان، فرانس وامریکہ، تمدن جدید کے سب سے بڑے علمبردار ہیں،



# باب

## اہل تدبیر کی دانشمندیان

دنیا صدیوں سے مجروح ہوتی چلی آرہی ہے لیکن پچھلے چند سالوں کی مسلسل و متواتر خونریزیوں نے تو سطح ارض کو ایک مستقل میدان قتال کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ قلب انسانی زخموں سے چور چور ہو گیا ہے، اور انسان انسان کے نام سے پناہ مانگنے لگا ہے، جو ممالک شریک جنگ و مصروف پیکار رہے تھے ان میں بھی اندرونی شورشوں اور خانگی مناقشات کی کثرت نے امن و اطمینان کے وجود کو عنقا کر دیا ہے، ہر طبقہ دوسرے طبقہ ملک سے دست و گریبان ہے، اور ہڑتالون اور مظاہرون کے تسلسل نے نظم و سکون کے شیرازہ کو سرے سے درہم و برہم کر دیا ہے،

مغرب مین اسوقت بہترین دل و دماغ کے افراد موجود ہین، انکی قوت ایجاد و اجتہاد کا غلغلہ فضائی عالم مین بلند ہے ان کے ایجاد کردہ وسایل سفر نے بُعد مسافت کے نقطہ کو بے معنی بنا دیا ہے، انکے حیرت انگیز آلات خبر رسانی نے قرب و بعد کے امتیاز کو فنا کر دیا ہے، خواص مادہ و قوت کا کوئی راز ان سے مخفی نہیں، قوانین فطرت و نوامیس طبعی ایک ایک کر کے ان کے نوک زبان ہین، انکا فن طبابت بقراط و جالینوس کے کمالات کو بازیچۂ اطفال بنا چکا ہے. انکی بلند پروازیان وسعت ارض کو اپنے لیے ناکافی پا کر آسمان پیمائی مین مصروف ہو گئی ہے، یہ سب کچھ ہے لیکن کیا دنیا کو غسل خونین سے

نجات دینا ان دماغون کی قوت و استطاعت سے باہر ہے[1]؟ کیا ابتک انھون نے اس پر توجہ نہین کی؟ یا توجہ کی اور ناکام رہے ہے؟

جو لوگ مغرب اور مغربی تمدن سے مرعوب ہین، انکے ذہن مین اس قسم کے سوالات کا حیرت و استعجاب کے ساتھ پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے، لیکن جن اشخاص نے بغیر تعصب و مرعوبیت کے سچائی اور سنجیدگی کے ساتھ واقعات پر نظر رکھی ہے

[1] اس سلسلہ مین راقم ہذا کے دو نوٹ جو رسالہ معارف (اعظم گڈھ) مین آغاز سنہ ۱۹۲۰ء مین شائع ہوئے تھے، غالباً خالی از لطف نہونگے، وہ حسب ذیل ہین،

فرینچ اکاڈمی (پیرس) نے حال مین اعلان کیا ہے کہ جو شخص اس سال مین کسی دوسرے سیارہ کے باشندون سے نامہ و پیام کا طریقہ دریافت کر دے، اسے ایک لاکھ فرینک (فرانس کا ایک سکہ) انعام ملیگا، اہل فرانس کی ہمت و فکر کی یہ بلند پروازی و آسمان پیمائی بے شبہ قابل داد ہے، لیکن اگر یہی رقم روے زمین پر امن و سکون قایم رکھنے کی کوشش مین صرف کی جاتی تو تمام دنیا اور خود یورپ کے حق مین اس سے کہین زاید مفید ہوتا،

..............

یورپ کی ہمت و قوت اختراع کے امتحان کا اصلی وقت وہ ہوگا، جب کرہ ارض اور اس نو دریافت سیارہ کے باشندون کے درمیان سلسلہ جنگ چھڑیگا، اور آسمان و زمین کی درمیانی فضا عرش نشین و خاک نشین فریقین کی آتشباریون اور جہانسوزیون کی

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر دیکھو)

وہ جانتے ہین کہ یورپ کا دماغ اہم و پیچیدہ مسائل کے سمجھنے مین کیسی شدید غلطیان کرتا ہے، اس کا نظام معاشرت و تمدن کتنی کمزور بنیادون پر قایم ہے، اور اسکے علوم و فنون کس کثرت سے مغالطات و مسامحات کے پردہ دار ہین، آلات، کلون، اور برقی و دخانی کارخانون نے دنیا کو جو ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے ہین، مغربی طب نے معمولی امراض کی تشخیص مین جو صریحی غلطیان کی ہین، مادّی نظام تعلیم نے جس طرح جرایم کی تعداد روز افزون کر دی ہے، جدید آئین معاشرت نے جس طرح صحت کو برباد، اوسط عمر کو کم اور بداخلاقیون مین اضافہ کیا ہے، اور تمدنی نفاستون و نزاکتون نے جس طرح قواے انسانی کو مستقلاً ضعیف کر دیا ہے، ان چیزون کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہی،

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا، اس عام صورت حال سے قطع نظر کر کے مخصوص اس تماشا گاہ بی ہوگی، حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے، کہ جن دماغون کی پرواز فکر کے لیے فضاے ارض ناکافی ہے، اور جنکی بلند ہمتی کا جوش سقف فلک سے ٹکرا رہا ہے، وہ اتنی بات پر قادر نہین کہ روے زمین پر نہ سہی، یورپ ہی مین، یورپ بھر مین نہ سہی، اسکی کسی ایک سلطنت مین، سلطنت بھر مین نہ سہی، اسکے کسی بڑے صوبہ مین امن و سکون کی حکومت قایم کر سکین! گلستان کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانون مین ہو چکا ہے، کیا ابتک محقق شیراز کا یہ مشہور شعر فرنچ اکاڈمی کے فاضل ارکان کی نظر سے نہین گذرا، ؎

تو کار زمین را نکو ساختی  که با آسمان نیز پرداختی

مسئلہ سے مشتاق ہیں یورپ اسوقت تک دماغ میں ذہن نشین کرچکا ہے، خون ریزی و بدامنی ایسی شے ہے جو خوشی سے گوارا ہو سکے، یورپ مدت سے اس بات کا خواہشمند بنا ہوا ہے، ابتک بیسیون تدابیر اسکے انسداد کی کرچکا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ کل علاج ابتک ناکام رہے ہین، ان مین سے چند اہم تدابیر کا ذکر یہان کیا جاتا ہے،

۱- یورپ کو جنگ کے مقابلہ مین سب سے بڑی سپر تجارت اور صنعت وحرفت کی معلوم ہوئی، خیال یہ تھا کہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیان اور کارخانہ قایم کرنے سے اتنی فرصت کس کو ملے گی جو حرب و ضرب کا خیال بھی کرسکے، گویا حُب زر کی قوت حُب حکومت کو توڑ دیگی، اور زرپرستی کے سامنے حکومت پسندی کا نشہ ہرن ہو جائے گا، ہر ملک تجارتی و اقتصادی حیثیت سے دوسرے سے بالکل وابستہ وپیوستہ ہو جائے گا، اور ان تعلقات کو توڑنا گویا اپنے ہاتھون اپنے تئین ہلاک کرنا ہوگا، پس اس خوف سے خود بخود امن کی حکومت عالمگیر ہو جائے گی،

علاج کے ظاہر فریب ہونے مین شک نہین، لیکن کارکنان فطرت نے اس وہم کو یون باطل ثابت کیا کہ تجارت کو بجائے مانع جنگ ہونے کے ایک خاص محرک جنگ بنا دیا، ہر قوم کی نظر اس پر رہتی ہے، کہ دنیا کے بہترین بندرگاہ اسکے قبضہ مین رہین تاکہ ساری دنیا کی تجارت اسکی مٹھی مین رہے، اور رجحان اس مقصد مین کشاکش ہوئی بس وہین جنگ شروع ہو جاتی ہے، گزشتہ جہانسوز جنگ کی اسقدر طوالت کا باعث محض انگلستان و جرمنی کی شرکت ہوئی، لیکن ان دونون کی شرکت کی اصلی

علت محض انکی باہمی تجارتی رقابت تھی گو زمانہ میں بیشتر محاربات ا نہ سرسرہ مقاصد
کے لیے ہوتے تھے۔ لیکن اب تو ۸۵ بلکہ ۹۰ فی صدی جنگون کی اصلی علت یہی تجارتی
رقابت ہوتی ہے، بہ قول اکبر؎

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے ہر اب تو جنگ صرف تجارت کے واسطے

۲ وبائے جنگ کا ایک دوسرا علاج جمہوریت سوچا گیا، اہل یورپ نے اپنے استقرا سے
پایا کہ زمانہ قدیم میں جنگیں عموماً سلاطین و امرائے سلطنت ہی کی جاہ پرستیون کے نتائج ہوتی تھین
اور رعایا کی جانین خواہ مخواہ ان کی جاہ پرستیون پر قربان ہو جاتی تھین، بس اگر
نظامات حکومت بدل دیے جائین، یعنی بجائے سلاطین و وزراء کے عنان
اختیار "جمہور" یا "قوم" کے ہاتھ مین آجائے تو جنگ کا وجود دنیا سے رخصت ہو جائے
اس لیے کہ قومین آپس مین رشتہ مواخاۃ رکھتی ہین اور ان مین باہم حسد و رقابت پیدا
ہونے کی کوئی وجہ نہین!

یہ خیال اگرچہ تاریخی شہادتون کے قطعاً برخلاف تھا، تاہم اس نسخہ کی بھی نظر فریبی
مین شبہہ نہ تھا، لیکن تازہ تجربات نے آنکھون سے دکھا دیا، کہ جنگجوئی، خون آشامی،
خودغرضی، و دیگر جذبات رذیلہ مین "قوم" و "جمہور" افراد سے ایک قدم بھی پیچھے نہین، بلکہ
چند قدم آگے ہی ہے، پچھلی عالمگیر جنگ کے لیے کرورون روپیہ کی منظوری اور وہ بھی ایک بار نہین متعدد بار کس
نے دی؟ انگلستان کی "پارلیمنٹ" نے، فرانس کے "چیمبر آف ڈپوٹیز" نے، جرمنی کے "ڈائیٹ"
نے، اور امریکہ کے "سینیٹ" نے، یہ آوازین اگر "قوم" و "جمہور" کی تھین، تو پھر کن چیزون پر

قوم کی آواز کا اطلاق ہوگا،

۱۹۰۰ء مین جنگ ٹرانسوال کے موقع پر مشہور رئیس صحافت مسٹر اسٹیڈ نے جنگ کی مخالفت کی، لیکن انگریزی قوم نے انکا ناطقہ بند کر دیا، حال کی عالمگیر جنگ کی مخالفت لارڈ مارلے جیسی زبردست شخصیت کے مدبر نے کرنا چاہی، لیکن قوم کی برہمی نے انکی زبان پر مہر لگا دی، اور نامور فلسفی سر برٹرینڈ رسل نے ہمت کرکے زبان کھولی، تو قوم نے انکے دلائل کا جواب سلاسل زندان سے دیا، امریکہ مین پریسیڈنٹ ولسن نے شروع شروع شرکت جنگ سے بے انتہا گریز کیا، لیکن قوم کی متفقہ آواز کے سامنے بالآخر انھین گردن ڈالدینا پڑی، انگلستان، فرانس، جرمنی، امریکہ ہر ملک مین مقبولیت وہردلعزیزی کے حصول کا راز صرف اسقدر تھا کہ جنگ کی پُرزور تائید کی جاے، جن مدبرین کو ووٹ زیادہ حاصل کرنے ہوتے تھے، انکے پاس اس سے زیادہ چلتا ہوا اور کوئی افسون نہ تھا کہ جنگ کی حمایت مین پرجوش تقریرین کردین۔

جو اخبارات جنگ کی مخالفت کرتے تھے مًعًا انکی اشاعت گھٹ جاتی تھی، جو افراد صلح واشتی کے فضایل پر تقریرین کرنا چاہتے تھے، انکی زبانین دلایل کے زور سے نہین بلکہ قوت بہیمی کے زور سے بند کردی جاتی تھین، چنانچہ فرقہ صلح جو کی مجلسون مین بارہا اینٹ اور پتھر پھینکے گئے، یہان تک کہ اس فرقہ کے لیے اپنے جلسون کا انعقاد ناممکن ہوگیا سوشلسٹ گروہ (اشتراکیہ) کی تعلیمات سے پوری توقع تھی کہ وہ قتل وخونریزی کی مخالفت کریگا، لیکن آنکھون نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ ہر ملک کا سوشلسٹ گروہ اپنی اپنی سلطنت کی فوجی طاقت سے متحد ہوکر بہ کمال بلند آہنگی موت وہلاکت کے شکاری کتون کو میدان

جنگ مین للکار رہا ہی،

غرض ان پیہم مشاہدات وتجربات نے بڑے سے بڑے غفلت شعارون کی آنکھین بھی اس حقیقت کی جانب کھول دین کہ امن وصلح کا ضامن "قومیت" وجمہوریت" کو سمجھنا پانی کی نبیادون پر انیٹ اور پتھر کی عمارت تیار کرنا ہی،

۳ انیسوین صدی کے خاتمہ کے قریب خوش دماغان یورپ کے ذہن مین یہ بات آئی کہ اگر تصفیہ نزاعات وفصل خصومات کے لیے ایک باضابطہ مرکزی عدالت قایم کردی جائے جو مختلف سلطنتون کے باہمی مناقشات کا فیصلہ کردیا کرے تو جدال وقتال کی قطعاً کوئی ضرورت نہ باقی رہجائے گی اور یورپ امن کی برکتون سے بے خوف وخطر بہرہ اندوز ہونے لگے گا، چنانچہ نامور سلاطین اور مشاہیر مدبرین نے اس تجویز پر ہر طرف سے لبیک کہا، یہان تک کہ ہیگ (ہالینڈ) کو ایک مستقل مجلس مصالحت کا مستقر بنایا گیا، اور سیاسی کاہنون نے جنگ کے خاتمہ کی وثوق وتیقن کے ساتھ پیشین گوئی کردی،

تخیل یہ بھی بجائے خود دلکش تھا، لیکن ابھی ایک طرف مسرت کے شادیانے شروع ہی ہو رہے تھے کہ ساتھ ہی دوسری طرف افریقہ مین طبل جنگ پر چوب پڑی! جنگ سوڈان، جنگ ٹرانسوال، جنگ روس وجاپان، جنگ طرابلس، جنگ بلقان، یہانتک کہ دیکھتے دیکھتے مشرق سے لیکر مغرب تک ایک آگ لگ گئی، اور زمانہ کی نیرنگی دیکھو کہ اس نہ بجھنے والی آگ کو جس دست شاہی نے سب سے پہلے دیاسلائی سے مشتعل کیا وہ وہی تھا جس نے ہیگ کی صلح کانفرنس کا سنگ نبیاد رکھا تھا یعنے شہنشاہ آسٹریا! آگ

گئی اور اس قیامت کی گئی، کہ جنگ مین مقاومت مصافت کی پانی کا جو ذخیرہ فراہم کیا گیا تھا، اسکے دھارے
ایک شرار کو بھی نہ بجھا سکے! ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس،
لیکن "عاقبت اندیش" یورپ..... پر یہ شاید یہ تجربہ بھی بے اثر رہا ہے کہ اب اسی تجویز کو
ایک دوسرے قالب (ان لیگ آف نیشنز مجلس اقوام) کے نام سے عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے
اور اس بنیاد کے سہارے پر آئندہ صلح وامن کی سربفلک عمارت کا نقشہ تیار کیا جا رہا ہے،
ہے۔ یورپ کو بہت بڑا اعتماد سائنس کی قوت پر تھا، امید یہ تھی کہ سائنس کی روز افزون
ترقی جنگ وجدال کو بالآخر محال بنادیگی، یہ امید عوام الناس ہی کی نہ تھی، بلکہ اس مین حکماء
وعلماء بھی شریک تھے، اور اس نتیجہ کے ظہور پذیر ہونے پر دلایل و براہین قایم کرتے تھے
چنانچہ بیسوین صدی کے آغاز مین ایک روسی پروفیسر نے بخصوص اسی بحث پر ایک
تصنیف شایع کی، جس مین دلایل ریاضی سے یہ ثابت کیا کہ موجودہ آلات حرب کے ساتھ
اگر دو فوجین مساوی تعداد مین ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہون، تو یہ صف آرائی
قطعاً بے سود رہیگی، اسلیے کہ جبتک ایک فوج کی تعداد دوسرے سے سہ چند نہو، اسکے لیے
اپنے حریف پر حملہ کرنا حسب اصول و قواعد ریاضی محال ہوگا، اور چونکہ ایک فریق کا دوسرے
کے مقابلہ مین یہ تناسب رکھنا مستبعد ہے، اسلیے لامحالہ جنگ کا خاتمہ ہوجائیگا!

پروفیسر صاحب کی ذہانت کی داد معلم فطرت نے یہ دی، کہ ابھی انکی تحریر کی روشنائی
بھی نہین خشک ہونے پائی تھی، کہ خود انھین کے ملک اور جاپان کے درمیان آویزش شروع
ہوگئی، اور فاضل مصنف کی آنکھون کے سامنے ان کے دوست و دشمن لاکھون کی تعداد مین

کارزار ہستی مین سلطان اجل کے بے پناہ حملون سے بسمل ہو ہو کر گرنے لگے، اور یہ مسئلہ غیر متحقق رہگیا کہ موت کے فرشتہ نے اپنی کارفرمائی مین پروفیسر موصوف کے ثابت کردہ اصول و قواعد ریاضی کی کس حدتک پیروی کرنا ضروری سمجھا،

۵ اسی کے چند سال بعد دسمبر ۱۹۰۹ء مین انگلستان کے ایک عالی دماغ نارمن اینگل نے دگریٹ الیوژن‌ا" وہم عظیم" کے نام سے ایک معرکۃ الآرا کتاب شائع کی ہے، جس نے یورپ کے علمی و سیاسی حلقون مین ایک ہلچل پیدا کردی، خلاصہ مباحث یہ تھا کہ جنگ سے مفتوح کو تو نقصان پہنچتا ہی ہے خود فاتح بھی اقتصادی و معاشی حیثیت سے سرتاسر خسارہ مین رہتا ہے، اور چونکہ عموماً جنگ کی محرک یہی ہوس زر ہوتی ہے، پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ جنگ بجاے مفید ہونے کے فاتح کے حق مین الٹی مضر ہی پڑتی ہے، تو کوئی دانشمند فوج کشی کا خیال بھی نہ کریگا،

کتاب جس قابلیت سے لکھی گئی تھی اسکی داد نہ دینا ناانصافی ہے، دعوے کے ثبوت مین بہ کثرت تاریخی شواہد پیش کیے گئے تھے، نتائج کی طرف ایک ایک قدم اصول اقتصادیات کی روشنی مین اوٹھایا گیا تھا، استدلال مین کہین سے خامی نہ تھی، ساتھ ہی کتاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی، کہ چار برس کے عرصہ مین کتاب کے چودہ اڈیشن شائع ہوے! فرنچ، جرمن، روسی، جاپانی اسپینی متعدد زبانون مین ترجمہ ہوے، انگلستان سے زاید دوسرے متمدن ممالک مین کتاب کی مانگ ہوئی، اور ہر مغربی ملک کے اخبارات و رسایل مین مدتون اس پر ریویو کا سلسلہ جاری رہا،

جنگ کے خاتمہ مین اب تک وشبہ کی کیا گنجائش رہ سکتی تھی، لیکن جنگ طرابلس جنگ بلقان، اور پھر جنگ جہانسوز، یہ سب وقعات اشاعت کتاب مذکور کے بعد کے ہین، دولت کی ہوس اقوام پر جیسے پہلے مسلط تھی اب بھی ہے اسکے بہ جبر حاصل کرنے کا جو خبط پیشتر تھا آج بھی جون کا تون ہے، اور انجام بینی سے جو بعد ہمیشہ تھا، اس مین اتبک کوئی کمی نہین،

۶۔ گزشتہ جنگ کی ابتدا مین بعض ارباب قلم نے جو علی العموم صلح وآشتی کی حمایت مین رہا کرتے تھے، مگر اسوقت قتل وخونریزی کی تائید کر رہے تھے، اپنی بریت مین بار بار یہ عذر پیش کیا کہ ہم لوگ محض اس اعتماد پر حربیت کی تائید کر رہے ہین کہ کشت وخون کے مہیب وہولناک مناظر دیکھتے دیکھتے خود فطرت بشری کشت وخون سے تنگ آجائیگی اور اس طرح یہ جنگ سلسلہ محاربات کی خاتم ہوگی"

یہ فلسفہ نظری حیثیت سے جو کچھ بھی وقعت رکھتا ہو، عملی حیثیت سے یہ دیکھنے مین آرہا ہے کہ سالہا سال کی قیامت خیز خونریزیون کے بعد ان مشاغل سے اکتا ناکیا، طبیعت اور زیادہ ادھر مایل ہوتی جارہی ہے، روس کے وسیع رقبہ مین پولینڈ سے لے کر ترکستان تک اس درمیان مین ایک دن بھی ایسا گزرا ہے کہ تلوارین نیام کے اندر رہی ہون، ؟ انگلستان اور افغانستان کے تعلقات اس اثنا مین کسی دن دوستانہ ومخلصانہ رہی ؟ ترکی ویونان کر حدود کے درمیان اس عرصہ مین کسقدر خون کی ندیان بہین ؟ تخفیف اسلحہ والی کانفرنس مین انگلستان، فرانس، امریکہ، جاپان کے تیور آئیندہ کس زندہ طرز عمل کی غمازی کر رہے ہین ؟ انگلستان، فرانس، امریکہ، جاپان واٹلی

"فاتحین" مین سے کون سا ملک ایسا ہے، جسکی طبیعت جنگ و جدل سے سیر ہو گئی ہے؟ جرمنی، آسٹریا، ٹرکی، "مفتوحین" مین کس نے آیندہ خونریزی سے محترز رہنے کا عہد کیا ہے؟ آئرلینڈ، مصر، ہندوستان، افغانستان، عرب، عراق، شام، دنیا کی کون سی قوم ایسی ہے، جسکی پیشانی پر بل نہین، یا جسکا ہاتھ تلوار کے قبضہ اور پستول کے لبلبی پر نہین؟

غرض اس طرح یورپ نے امن عالم کی عمارت جن جن ستونون پر قائم کرنا چاہی، وہ سب ایک ایک کرکے پیوند زمین ہو چکے ہین،



# باب ۴

## نسخۂ شفا

"دُنیا عالم اسباب ہے" اس پر ہر مذہب، ہر جماعت اور ہر قوم کا اتفاق ہے، لیکن انسانی محرومیوں اور ناکامیوں کا سبب وحید صرف یہ ہوتا ہے، کہ یا تو اسباب تک اسکی نظر پہنچتی نہین، یا اگر پہنچتی ہے تو ان اسباب کی فراہمی اسکے امکان سے باہر ہوتی ہی، موت، بیماری، اور دنیا کے تمام دیگر ناگوار واقعات کا ہدف انسان کو محض اسلیے بننا پڑتا ہے کہ انکے دفعیہ کے اسباب کی بہم رسانی اسکے ہاتھ مین نہین ہوتی،

جن چیزون کو عرف عام مین ناممکن کہا جاتا ہے انکے معنی بھی صرف اس قدر ہوتے ہین، کہ انکے اسباب کی آفرینش انسان کے اختیار مین نہین، انسان پانی کیون نہین برسا سکتا؟ اسلیے کہ اسباب نزول باران اسکے ہاتھ مین نہین، اجرام فلکی کی حرکت کو ہم اپنے ارادہ کا تابع کیون نہین بنا لیتے؟ اسلیے کہ انکی حرکت کے قوانین تک ہماری رسائی نہین، انسان موت سے بچنا کیون ناممکن سمجھتا ہے؟ اسلیے کہ حیات دوام کے اسباب اسکی دسترس سے باہر ہین،

یہ صحیح ہے کہ کسی شے کی آخری علت جو بجائے خود غیر معلول ہو ابتک ذہن انسانی نہین دریافت کرسکا ہے، تاہم اضافی حیثیت سے جسقدر بھی سلسلہ علت و معلول کی گہرائیون مین ہم اتر سکتے ہین اسی مناسبت سے یقینی و خاطرخواہ نتائج حاصل کرتے رہتے ہین، استاد

اگر تلامذہ کی دلکشی کے عناصر کو سمجھ گیا ہے تو درس کو یقیناً دلچسپ بنا سکے گا، طبیب نے اگر
مرض کے اسباب کو سمجھ لیا تو علاج کی نفع بخشی یقینی ہے، نیک چلنی کے محرکات جس
حد تک ہمارے علم اور ہمارے اختیار مین آتے جاتے ہین اسی قدر نیک چلن بننا
ہمارے لیے آسان ہوتا جاتا ہے،

اس بنا پر مسئلہ قیام امن کا صحیح حل اس امر پر ٹھرتا ہے کہ سب سے پہلے امن و صلح کی
اصل علت کا پتہ لگایا جائے، پھر اگر اس کا حصول سعی انسانی سے ممکن ہے تو اسے پیدا
کیا جائے اور نقض امن کی علت کو دور کیا جائے، گزشتہ باب مین ہم دیکھ چکے ہین کہ اہل
مغرب نے ابتک متعدد تدابیر قیام امن کے لئے اختیار کئے، لیکن یہ تیر ایک مرتبہ بھی
نشانہ مقصد تک نہ پہنچ سکے، طبیب کا ذہن اگر اسباب مرض تک نہین پہنچا ہے تو قیامت
تک اس کا علاج ناکام رہے گا،

لیکن کسی واقعہ کی علت دریافت کیونکر ہو سکتی ہے ؟ معلول سے علت تک پہنچنے
کی بحث منطق استقراء کا ایک مسئلہ ہے، اور حکماء مغرب نے استقراء صحیح کے متعدد طریقے
منضبط کئے ہین مل نے جو مغرب مین منطق استقراء کا بانی اور امام مانا جاتا ہے اس نے اس
موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، اور اسکے بعد کے علماء منطق اسی کے نقش قدم
پر چل رہے ہین، ان طرق استقراء مین سے بعض کی ضروری تصریح بیان کی جاتی ہے،
سب سے زیادہ آسان اور روزانہ زندگی مین کام آنیوالا طریقہ استقراء وہ ہے
جسے طریق طرد (Method of agreement) کہتے ہین اور جسے مختصراً ان الفاظ مین

ادا کر سکتے ہین، کہ جب واقعہ زیر تحقیق کی چند مثالون مین ایک ہی جزیہ مشترک ہو تو یہ
جزیہ ان واقعات وحوادث کا یا سبب ہو گا یا نتیجہ، مثلاً یا پھر رابطہ، علت، ہم نے
یہ مشاہدہ کیا کہ

۱ الف ب ت سے خ و ہ پیدا ہوئے،

۲ الف ب ج سے خ د ک پیدا ہوئے،

۳ الف ح ک سے خ ن ف پیدا ہوئے

۴ الف ل م سے خ ق گ پیدا ہوئے

اس مثال مین ہمین واقعہ خ کی علت دریافت کرنا ہے، ہم نے متعدد مثالون
مین مشاہدہ کیا کہ جب جب خ کا وجود ہوا ہے تو اسکے مقدمات مین الف ضرور
موجود رہا ہے، باقی اور مقدمات برابر بدلتے رہے، لیکن انکی تبدیلی کا خ پر کوئی
اثر نہین پڑا، اس سے معلوم ہوا کہ خ کی علت الف ہی،
اسکی ایک واضح مادی مثال یہ ہو سکتی ہے،

فلان روز مین نے چائے پی تھی، اس روز خنکی تھی، بارش ہو رہی تھی،
مین دن بھر گھر کے اندر پڑا رہا تھا، شب مین نیند کم آئی تھی،

۲ ایک ہفتہ ہوا پھر مین نے چائے پی تھی، اس روز خنکی نہ تھی، دن بھر اپنا
معمولی کام کرتا رہا تھا، شام کو ہوا خوری کے لیے بھی گیا تھا، شب مین نیند کم آئی تھی،

۳ پرسون بھی مین نے چاء پی تھی، اس روز دعوت مین غذائین بھی ثقیل کھائی

تھین، سارا دن احباب کے ساتھ لطف وتفریح مین کٹا تھا، مگر شب مین نیند کم آئی تھی،

۴ آج بھی مین نے چائے پی تھی، آج غذا بہت ہی ہلکی ہوئی، دن مین خوب محنت بھی کرنا پڑی، آج شب کو بھی نیند کم آرہی ہے،

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جب جب نیند کم آئی ہے، تو گو اور مقدمات وحالات مین تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے، تاہم چائے پینے کا جزیہ ہر حالت مین مشترک رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نیند کم آنے کی علت چا نوشی ہے،

دوسرے طریقہ کا اصطلاحی نام طریق عکس Method of Difference ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک مثال مین ایک واقعہ موجود ہو اور دوسری مثال مین موجود نہو اور ان دونون مثالون مین کل عوارض مشترک ہون بجز ایک کے جو پہلی مین موجود ہے، اور دوسری مین نہین، تو وہی عارض واقعہ مذکور کی علت ہوگا یا معلول اور یا رابطۂ علت، فرض کرو ہم نے یہ مشاہدہ کیا کہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | الف ب ت ث | سے | ع غ ف ق پیدا ہوئے |
| ۲ | الف ج د ھ | سے | ع د ل م پیدا ہوئے |
| ۳ | ب ت ث | سے | غ ف ق پیدا ہوئے |
| ۴ | ج د ھ | سے | د ل م پیدا ہوئے |

اس مثال مین ہمین واقعہ ع کی علت دریافت کرنا ہے ہم نے دیکھا کہ جن مثالون مین ع واقع ہوا ہے ان کے مقدمات مین الف موجود ہے، اور جن مین

... ناتق ہوا ان مین صرف الف ہی غیر موجود ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ع کی علت الف ہے، کہ اسکا وجود ع کے وجود کو اور اس کا عدم ع کے عدم کو مستلزم ہی

ہم روز دوپہر کو سوتے تھے اور مسلسل ایک گھنٹہ تک سوتے رہتے تھے، آج جب سو کر لیٹے تو دس ہی منٹ کے بعد کمرہ مین زور کا دھماکا ہوا اور ہماری آنکھ کھل گئی آج ہماری صحت ویسی ہے جیسی ہمیشہ رہتی تھی، کمرہ وہی ہے جس مین روز سوتے تھے، غرض تمام حالات وہی ہین کوئی نئی بات نہین پیش آئی بجز اسکے کہ آج کمرہ مین ایک دھماکا ہوا پس معلوم ہوا کہ معمول عام کے خلاف آج اتنی جلد ہماری آنکھ کھل جانے کا سبب یہی جدید واقعہ ہوا،

منطقیین مغرب کے نزدیک یہ طریقہ استقرار سب سے زیادہ قطعی ویقینی ہے، اور اس سے کام لینے کے بعد علت کی تعیین وتشخیص مین شک واشتباہ کی گنجائش نہین رہجاتی

Method of Concomitant Variation

ایک اور طریقہ استقرار کو طریق اختلاف الوصف ( ) کہتے ہین، اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب ایک واقعہ ہوا اور اسکے ساتھ دوسرا واقعہ بھی موجود ہوا لیکن جب پہلے واقعہ مین کچھ تغیر ہوا تو اسی مناسبت سے دوسرے واقعہ مین بھی تغیر ہوا تو ہر دو واقعات باہم علت ومعلول ہونگے، یا کسی اور رابطہ علت سے باہم مربوط ہونگے،

جس زمانہ مین ملک مین غلہ ارزان ہوجاتا ہی، جرایم مین کمی ہوجاتی ہے، اور جس زمانہ مین گرانی ہوتی ہے، جرایم کی تعداد بڑھ جاتی ہے، اس مشاہدہ سے نتیجہ یہ

نکلا کہ کثرت جرایم کی علت غلہ کی گرانی ہے، مقیاس الحرارت کو ہم گرم و سرد مختلف مقامات مین لے گئے اور یہ مشاہدہ کیا کہ جو مقام جتنا زیادہ گرم ہے اسی قدر پارہ بھی چڑھتا ہے، اس سے نیتجہ نکلا کہ پارہ کے چڑھنے کی علت گرمی ہی،

ان کے علاوہ استقرار کے اور بھی قوانین ہین، مثلاً طریق طرد بالتکرار، وطریق طرح لیکن ہمارے موضوع کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے،

ان قوانین سے ہمین علت کی تفتیش و تحقیق کے طریقہ معلوم ہوئے، اب ان اصول کو مسئلہ قیام امن پر منطبق کر کے دیکھنا چاہیے کہ حالت امن و صلح کے مقدمات کیا کیا ہوتے ہین، یہان سے تجربہ و مشاہدہ کے حدود شروع ہوتے ہین، اس سوال کا جواب دینا تجربہ و مشاہدہ کا کام ہے، کہ ہماری صلح و محبت اور ہمارا اتحاد و خلوص کن کن اشخاص کے ساتھ اور کن کن حالات مین قایم رہتا ہی،

اپنا سب سے بڑا دوست ہم خود اپنے آپ کو پاتے ہین، انسان ساری دنیا سے لڑ سکتا ہے، لیکن خود اپنی ذات سے کبھی نہین لڑتا، یہ برابر ہوتا رہتا ہے کہ ایک فرد ایک جماعت سے لڑ جائے، ایک کمزور انسان ایک پہلوان سے مقابلہ کر بیٹھے لیکن اسکی کوئی مثال نہین مل سکتی کہ بڑے سے بڑا جنگ جو و امن شکن شخص بھی خود اپنی مخالفت پر آمادہ ہوگیا ہو، زبان مین بے شبہ اسی قسم کے فقرہ مستعمل ہوتے ہین کہ "فلان شخص اپنا دشمن ہے" یا "فلان شخص اپنے دم سے بیزار ہے" لیکن ایسے مواقع پر مفہوم ہمیشہ یہ ہوتا ہی کہ اس شخص کے دو نفس یا دو شخصیتین ہین، ایک نفس اعلی، دوسرے نفس ادنی ایک نفس

ملکوتی، دوسرے نفس بہیمی، اور تناقص و اختلاف ان دونوں کے درمیان ہے، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایک ہی نفس خود اپنے سے آمادہ جنگ ہو جائے،

برائی، مخالفت و نقیض کے جتنے مظاہر ہیں سب اسی کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں، حسد ہم دوسرن کی ترقی پر کرتے ہین، خود اپنے اوپر کبھی نہین کرتے بدگوئی ہم دوسرون کی کرتے ہین، خود اپنی کبھی نہین کرتے، غصہ ہم اورون پر کرتے ہین، اپنے اوپر کبھی نہین کرتے، وقس علی ہذا، (جب کبھی ہم اپنے اوپر غصہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین، تو مدعا ہمیشہ وہی ہوتا ہے کہ ہمارا ایک نفس ہمارے دوسرے نفس پر غصہ کر رہا ہی)

۲- اپنی ذات کے بعد لطف و خلوص ہین اپنی اولاد اور اسکے اتر کر پھر اپنے اعزہ اور اپنے احباب کے ساتھ ہوتا ہے، ساری دنیا کی ترقی پر ہم رشک کرتے ہین، لیکن اپنی اولاد کی ترقی مراتب پر بجائے رشک و حسد کے ہین مسرت ہوتی ہے، دوسرون کی اولاد کو ہم بد تمیز و بدسلیقہ بناتے ہین، لیکن جب بالکل اسی قسم کی حرکات ہماری اولاد سے سرزد ہوتی ہین، تو ہم انھین بچپن کی ذہانت و شوخی پر محمول کرتے ہین، اپنی اولاد کی تکلیف کو ہم اپنی تکلیف سمجھتے ہین اور ان کی راحت گویا عین ہماری راحت ہوتی ہے، مکر و فریب ہم دوسرون کے ساتھ برابر کرتے رہتے ہین لیکن اپنی اولاد، اعزہ و احباب کے ساتھ شاذ و نادر ہی کرتے ہین، اور کرتے بھی ہین تو صرف اسوقت جبکہ ان تعلقات مین بجائے یگانگت کے مغایرت آگئی ہوتی ہے، اور وہ لوگ بجائے "اپنے"

کے "پرائے" ہو چکتے ہین،

اعزہ کے سلسلہ مین یہ بھی مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ جو عزیز ہمین اپنی ذات سے زیادہ "قریب" معلوم ہوتا ہے، اسی قدر اس سے محبت و یگانگت بھی زیادہ ہوتی ہے، داماد پہلے غیر ہوتا ہے، لیکن "خویش" ہو جاتا ہے تو کسقدر عزیز ہو جاتا ہے! بہو پہلے پرائے خاندان کی لڑکی ہوتی ہے لیکن "اپنی" ہو جانے کے بعد اولاد کے برابر ہو جاتی ہے، برادر زادے چونکہ "اپنے" خاندان کے کہلاتے ہین، عموماً زیادہ عزیز ہوتے ہین بمقابلہ ہمشیر زادون کے جو "دوسرے" خاندان کا نام روشن کرین گے،

زن و شو کی باہمی محبت بھی اسی قانون کی تابع ہے شوہر بیوی پر فریفتہ اور بیوی شوہر کی کیون جان نثار ہوتی ہے؟ اس لئے کہ ایک دوسرے کے پورے محرم اسرار ہین، حجابات مغایرت اٹھ چکے ہین دوئی برطرف ہو چکی ہے، بے تکلفی و یگانگت کے تمام مراتب طے ہو چکے ہین، رشتۂ مواصلت کے معنی یہ ہین کہ دو ہستیان مل کر ایک ہو گئی ہے، اور جہان اسقدر یگانگت و یکدلی نہین ملتی، وہان اسی نسبت سے محبت باہمی مین بھی کمی پائی جاتی ہے،

یہی فرق مراتب احباب مین بھی نظر آتا ہے، جو احباب ہمارے بالکل "اپنے" ہین وہی سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتے ہین، اور جو ہماری ذات سے دور رہین انسے تعلقات بھی معمولی و رسمی ہوتے ہین،

۳ انکے بعد اپنی جماعت، اپنی قوم، اپنے وطن اور اپنے مذہب کا مرتبہ ہوتا ہے اپنے مذہب کی توہین کو ہم "اپنی" توہین سمجھتے ہین، ہماری قوم کو اگر کسی نے سخت سست کہا تو

گویا خود "ہمین" کہا، وکالت کے پیشہ کو اگر کسی نے بُرا کہا تو ایک وکیل اپنی "ذاتی" توہین سمجھے گا
ڈاکٹری کے فن کو اگر کسی نے ذلیل قرار دیا تو ایک ڈاکٹر اسے "اپنی" ذلت سمجھے گا، انگریز کو
ہندوستانی سے جو گریز ہوتا ہے، وہ انگریز سے نہین ہوتا، ہندوستانی کو جو بے اعتمادی
انگریز سے ہوتی ہے، وہ ہندوستانی سے نہین ہوتی، مسلمان مسلمانون کو بھائی سمجھتا ہے
ہندوون اور عیسائیون کو نہین سمجھتا، ہندو ہندوون کو کچھ نہین کہتے، مسلمانون اور
عیسائیون کو کہتے ہین، ہر خفیف اشتعال ایک قوم کو غیر قوم سے دست وگریبان
کرا دیتا ہے، ہر معمولی واقعہ ایک ملک کو غیر ملک سے سرگرم آویزش کرا دیتا ہے
حالانکہ اگر خود اسی ملک و قوم کے اندر یہ واقعات پیش آتے ہین تو کوئی التفات بھی نہین کرتا اور یہ سب کچھ
اسی قانون فطرت کی ماتحتی مین ہوتا ہے کہ کوئی نفس خود اپنے سے نہین لڑتا۔

جو افراد بڑے بڑے محبان وطن وملت ہوتے ہین اور جو مذہب و وطن کے نام پر اپنی جان دینے
کو حاضر رہتے ہین وہ وہی ہوتے ہین جنہون نے اپنے کو مذہب و قوم کے وجود مین جذب کر دیا ہے
اور جو لوگ ایسا نہین کرتے وہ وہی ہوتے ہین جو اپنی قوم و مذہب سے الگ اور بیگانہ ہوتے ہین یہ سب
واقعات اس قانون کے شواہد مزید ہین کہ جو شے ہمین سب سے زیادہ محبوب ہے
وہ ہماری ذات یا جزو ذات ہے۔

یہ مسئلہ کا ایجابی و اثباتی پہلو تھا، یہان تک سب مثالین وجود محبت وامن کی تھین
اب اسکے منفی و سلبی پہلو پر نظر کرنا چاہیے اور ان مثالون کو لینا چاہیے جنمین محبت وامن کا فقدان ہوتا ہے
عدم محبت کے دو مفہوم ہین، پہلی صورت یہ ہے کہ جس شخص یا شے سے عدم محبت ہے

ساتھ ہی اس سے کسی طرح کی عداوت ونفرت بھی نہین۔ اس منزل کے لیے "بے تعلقی" کا لفظ مستعمل ہے، جسکے صاف معنی یہ ہین کہ اس سے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح کا تعلق ہماری ذات کو نہین عدم محبت کی جتنی مثالین اس شق کے تحت ملینگی، وہ سب ایسی ہی ہین جن مین نفس کو ان اشیا یا اشخاص سے "بے تعلقی" ہوگی،

عدم محبت کی دوسری صورت وہ ہے جسمین محبت کا فقدان ہی نہین، بلکہ عداوت، نفرت یا مخالفت کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے، ان مثالون مین جس شے سے ہین عدم محبت ہوتی ہے، ور جسے ہم مٹا دینا چاہتے ہین، وہ وہی ہوتی ہی جس کے وجود کو ہم اپنے وجود یا موئیدات وموجبات کے منافی سمجھتے ہین، ہم جس کے دشمن ہوتے ہین، تو اسکی زندگی، یا عزت، یا ناموس، یا دولت، یا اور کسی شے کو جو "اسکی" ہوتی ہے، مٹا دینا چاہتے ہین، اسلیے کہ ہمارے نزدیک وہ بھی ہماری زندگی یا عزت، یا ناموس، یا دولت، یا اور کسی شے کو جو "ہماری" ہے مٹا دینا چاہتا ہے، اگر دونون ہستیون کا یہ تناقض معمولی اور ہلکی باتون تک محدود ہے، تو ہمارے اسکے شکر رنجی رہتی ہے، لیکن اگر یہ تناقض ہماری اسکی صفات سے گزر کر ذات کی گہرائیون تک پہنچ گیا ہے، تو باہم شدید عداوت پیدا ہو جاتی ہے،

---

یہ وہ واقعات وحقائق ہین، جنکی تائید پر تاریخ، تجربہ، مشاہدہ سب متحد ہین، اور انکے وقوع کی شہادت افراد واقوام دونون مین یکسان ملتی ہے، باہمی تعلقات خواہ افراد کے ہون خواہ اقوام کے ہمیشہ انھین قوانین کی ماتحتی مین قایم ہوتے رہے ہین اور آج بھی دنیا کے گوشہ گوشہ

مین انھین شرایط وخصوصیات کے ساتھ امن، نقض امن وبے تعلقی کے قوانین کی کارفرمائی نظر آرہی ہے،

اب نتیجہ واضح ہے،

قضایاے بالا کو اگر استقرائی حیثیت سے مرتب کرکے رکھنا چاہین، تو صاف یہ شکل پیدا ہوتی ہے

۱ خودی کا تعلق جب تک اپنی ذات سے رہا اپنی ذات سے محبت رہی،

۲ خودی کا تعلق جب اولاد سے ہوگیا، اولاد سے محبت پیدا ہوگئی،

۳ خودی کا تعلق جب اپنے اعزہ سے ہوگیا، تو ان سے محبت پیدا ہوگئی،

۴ خودی کا تعلق جب اپنے احباب سے ہوگیا تو اُن سے محبت پیدا ہوگئی،

۵ خودی کا تعلق اپنی قوم، مذہب، وطن، جماعت جس کسی سے ہوا، اس سے محبت پیدا ہوگئی،

اور صریحی نتیجہ (حسب طریق طرد) یہ نکلتا ہے کہ تعلق خودی، یا اطلاق خودی محبت واتحاد، امن وخلوص کی علت ہی،

یہ طریقہ انتاج صحیح کے لیے اگرچہ بجاے خود کافی ہے، تاہم اس مسئلہ پر ہم قانون عکس کو بھی منطبق کرکے دیکھتے ہین، کہ آیا اس سے بھی کوئی نتیجہ نکلتا ہے، اس صورت مین ترتیب مقدمات حسب ذیل ہوگی،

۱ صلح ومحبت کی جتنی مثالین ملین، سب مین، ہم نے اطلاق خودی کو مشترک پایا،

۲ عدم صلح وفقدان محبت کی جتنی مثالین ملین، ان مین سے کسی مین اطلاق خودی کا

موجود نہ پایا،

اور اس سے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے جو اوپر بیان ہو چکا، یعنی محبت و آشتی صرف انھین موجودات سے پیدا ہوتی ہے، جو دایرہ خودی کے اندر آجاتی ہین، یا دوسرے لفظون مین اطلاق خودی، اتحاد و خلوص کی علت ہے، طریق عکس جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے منطقیین مغرب کے نزدیک سب سے زیادہ مستحکم و قطعی ہے اور جو نتایج اس طریقہ کے مطابق نکلتے ہین، وہ بالکل یقینی و غیر مشتبہ ہوتے ہین،

لیکن اتنا ہی نہین بلکہ طریق اختلاف الوصف بالوصف کی مطابقت مین ہم کیفی حیثیت کے علاوہ کمی حیثیت سے بھی نتیجہ بالا کی توثیق کر سکتے ہین، اس طریقہ کے مطابق شکل استدلال یہ ہو گی،

۱ اب تک مشاہدہ مین یہ آیا ہے کہ جتنا زیادہ کسی شے سے یگانگت بڑھتی جاتی ہے اور وہ شے ہماری خودی کے دایرہ مین آتی جاتی ہے، اسی مقدار کی مناسبت سے اس سے اتحاد و خلوص بڑھتا جاتا ہے،

۲ نیز یہ کہ جسقدر کوئی شے ہماری خودی سے دور اور اسکے معارض پڑتی جاتی ہے اسی مقدار کے تناسب اس سے اتحاد و خلوص کم ہوتا جاتا ہے

اور یہ استدلال بھی صاف اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے، کہ خلوص و اتحاد کی علت، دوسرے تعلق خودی و وابستگی نفس ہے،

معاشرتی مسایل مین ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ کسی نتیجہ کی صحت پر تینون طرق استقرا متحد ہون، لیکن خوش قسمتی سے اس مسئلہ کو یہ بات حاصل ہو گئی، یعنی

جس نے اسکی قوت کو سہ چند کر دیا ہے،

---

منطقی کنجلک سے نکل کر اگر عام و سادہ زبان مین نتیجہ بحث کو بیان کرنا چاہین تو یون کہینگے، کہ دنیا مین سارے اختلافات، سارے تناقضات اور ساری کشمکش کی بنیاد دوئی یا کثرت کے عقیدہ پر ہے، انسان اپنے سے نہین ہمیشہ "دوسرون" سے لڑتا ہے، جہان "من" و "تو" کا خیال آیا معاً کشمکش شروع ہو گئی، انسان اپنی اولاد کو چونکہ اپنا ہی جز و سمجھتا ہے اس لیے اس سے نہین لڑتا، اور جونہی اپنا جز و سمجھنا چھوڑ دیتا ہے، باپ بیٹے مین رشتہ محبت فوراً قطع ہو جاتا ہے، اور باہمی مخالفت بلکہ شدید عداوت سے محفوظ رکھنے والی کوئی شے نہین ہوتی، یہ جو اس طرح کے واقعات تاریخ کے صفحات مین اور گردوپیش کی زندگی مین بھی نظر آتے رہتے ہین، کہ فلان باپ نے بیٹے پر مقدمہ دائر کر دیا، فلان بیٹے نے باپ پر ہاتھ چلا دیا، فلان باپ نے لڑکے کو عاق و محروم کر دیا، فلان بیٹے نے باپ کے مقابلہ مین تلوار اٹھا لی، یہ سب مثالین انھین مواقع کی ہین، کہ "یگانگت" و "وحدت" کا رشتہ ٹوٹ کر آپس مین مغائرت قایم ہو گئی ہے،

انسان کو اگر کسی سے عشق ہو جاتا ہے تو وہ اسکی خاطر ہر قسم کی سختیان برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، معشوق اسے طرح طرح پر ستاتا ہے، چھیڑتا ہے، ذلیل کرتا ہے خطرات مین ڈالتا ہے، لیکن عاشق کی جبین تحمل پر شکن تک نہین پڑتی، ان تمام شدائد کا وہ بمسرت استقبال کرتا ہے، یہ کیون ؟ صرف اسلیے کہ وہ اپنی ہستی کو معشوق کی ہستی سے

الگ نہین، بلکہ تمامتر اسی کے ماتحت سمجھنے لگتا ہے، اور جب غیریت نہین باقی رہی، تو رد و انکار کے جذبات جو اسی پر مبنی ہین، کیونکر پیدا ہو سکتے ہین،

پس اگر دنیا مین امن و امان کو پھیلانا، اور صلح و آشتی کی حکومت کو عالمگیر کرنا منظور ہے، تو اسکی تدبیر صرف یہی ہے، کہ اپنی ذات، اپنی خودی، اپنی انانیت کو اس قدر وسعت دیجائے، اتنا پھیلایا جائے کہ ساری عالم و مافی العالم کو مرادف کر دیا جائے قطرہ کی نجات اُسیمین ہے کہ وہ اپنے تئین سمندر مین گم کر دے، ع عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا خود غرضی، منافست، خود بینی کا عفریت صرف محبت مطلق، اخوت عامہ کے مقدس فرشتہ ہی کی مدد سے مغلوب ہو سکتا ہے،

یورپ کی ابتک سب سے بڑی غلطی یہی رہی ہے، کہ اس نے بجائے اس اندرونی انقلاب کے، بجائے باطن انسان مین اس تغیر و اصلاح کے ہمیشہ صرف ظاہری و خارجی تغیرات کو کافی سمجھا، ہیگ مین مجلس صلح کی عدالت، مجلس اقوام کا قیام، وغیرہ سب سطحی و نمایشی تدابیر ہین، جب تک انسان کی روح (اسپرٹ) نہ بدلی جائے گی، جبتک انسان کے باطن مین نہ اصلاح ہو گی، جب تک قلب انسانی کی گہرائیون سے ضد و عناد، مخالفت و منافست کی جڑین نہ کاٹی جائین گی، اوپر کی شاخون کی کانٹ چھانٹ قیامت تک حصول مقصد مین ناکام رکھیگی،

اس مین شبہہ نہین کہ بعض حکما، مغرب کا ذہن بھی اس جانب منتقل ہوا ہے اور انھون نے انسانی آبادی کو ایک رشتہ اتحاد مین منسلک کرنا چاہا ہے، چنانچہ نامور فرنچ فلسفی اگسٹ کومٹ نے انیسوین صدی کے وسط مین ایک "مذہب انسانیت" کی بنیاد

ڈالی اور اپنے نظام فلسفہ (پازیٹیو فلاسفی) مین خدا کی پرستش کے بجائے "انسانیت" کی پرستش لازمی قرار دی، علیٰ ہذا سوشلسٹ گروہ (اشتراکیہ) کا بھی نصب العین مساوات عامہ و اشتراک انسانیت ہی،

لیکن اگر کومٹ کے کسی تبع سے یہ سوال کیا جائے، کہ کوئی شخص کیون انسانیت کی پرستش کرے؟ اسکی نزدیک اسی مسرت وراحت تو اپنے ذاتی اغراض کے پورے کرنے مین حاصل ہوتی ہے، انھین چھوڑ کر وہ آخر کیون ایک وہمی وخیالی ہستی "انسانیت" کی پرستش کرے اور انسانیت کا اپنے اوپر کوئی حق کیون تسلیم کرے؟ یا اگر کسی سوشلسٹ سے یہ دریافت کیا جائے کہ اُمرا و اہل ثروت کیون اپنی اپنی جایدادون سے دست بردار ہون؟ اور کیون اپنے زر و مال مین غربا، و اہل حاجت کو برابر کا شریک کرین؟ تو ان سوالات کا کوئی تشفی بخش جواب نہ ملیگا،

صلح و امن کی عمارت کو پایدار و مستحکم بنانے اور طوفان جذبات خبیثہ کے حملون سے محفوظ رکھنے کے لیے درحقیقت اس سے بہت زیادہ گہری بنیاد کی ضرورت ہے اور وہ بنیاد وہی ہی جسے تصریحات بالا کے بعد ہم وحدت سی موسوم کرسکتے ہین جسے صوفیہ کی اصطلاح مین وحدت وجود سی تعبیر کیا جاتا ہی ہم کو خود غرضانہ افعال کے ارتکاب سے ہمیشہ باز رکھنے والا یہ خوف ہرگز نہین ہوسکتا کہ دوسرے بھی اسکا عوض ہم سی لین گے علیٰ ہذا مساوات عامہ کی کوشش اس بنا پر بدرجہ غایت کمزور رہیگی کہ ایک مزدور کو بھی اسی قدر حقوق مین جتنے ایک تاجدار کے ہوتے ہین، ایثار و بے نفسی کی مستقل و پایدار بنیاد کا کام صرف یہ عقیدہ دے سکتا ہی کہ زید و بکر، شاہ و گدا، نیک و بد، مومن و کافر

یہ اور وہ، مین اور تو، سب اپنی اصل و سرشت کے لحاظ سے ایک ہین، ایک ہی نور حقیقت کے پرتو، ایک ہی آفتاب کی شعاعین، ایک ہی سمندر کی لہرین، ایک ہی دریا کے حباب، ایک ہی جسم کے اعضا ہین اور ان مین باہم جو فرق و اختلاف نظر آتا ہے، وہ محض اسلیے کہ "حقیقت یکتا" مختلف اضافتون اور مختلف نسبتون کی ساتھ اپنی مظاہر و شئون پیدا کرتی رہتی ہے۔

ہمسایہ و ہمنشین و ہمرہ ہمہ اوست — در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست (جامی)

ہم اپنے ہاتھ کو آرام سے رکھتے ہین مگر کبھی اس پر احسان نہین رکھتے، ہم اپنے پیر کو چوٹ سے بچاتے ہین اور کبھی اس سے شکریہ کے طالب نہین ہوتے، ہم اپنے سر کو محفوظ رکھتے ہین اور اسو فرض سے بھی بڑھکر اپنا فرض سمجھتے ہین، یہ کیون؟ محض اسلیے کہ ہم ان اعضا کو اپنے سے الگ و بیگانہ نہین، بلکہ "اپنے" مین داخل سمجھتے ہین اور ان مین سے کسی ایک عضو کی بے کلی کو "اپنی" اذیت و بے کلی محسوس کرتے ہین پس اگر ہمارا یہی تخیل تمام عالم کے متعلق قائم ہوجائے اور کل موجودات کو ہم "اپنے" مین داخل سمجھنے لگین تو یہ بالکل یقینی ہے کہ نیکی اور نیک چلنی، حسن سلوک و مواخات، ایثار و خدمت خلق کے اعمال ہم سے اضطرارًا سرزد ہونے لگین،

دنیا کا عام نظام اخلاق نیکی کی تعلیم اسلیے دیتا ہے، کہ اس سے عمدہ معاوضہ کی توقع رہتی ہے، ہم اگر آج کسی کی ضرورت پر قرض دین گے، تو ممکن ہے کل ہم کو بھی قرض لینے کی ضرورت پڑجائے، اور وہ اسی شخص سے پوری ہو، ہم اگر دوسرون کی بہو بیٹیون کی عزت ملحوظ رکھین گے تو دوسرے بھی ہماری بہو بیٹیون کا پاس ناموس

کرین گے لیکن عقیدۂ وحدت عالم کی تعلیم اس توقع معاوضہ واصول دادوستد سے
بالاتر ہے، اس مرتبہ پر نیکی محض اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے خود اپنے نفس کی تکمیل
ہوگی، اس سے خود اپنی ذات عروج و ترقی کی کچھ اور منازل طے کریگی۔ اور تعینات و
تشخصات کے کچھ حدود و قیود ٹوٹ کر اطلاق و کمال کی منزل قریب ہوتی جائے گی،

اس صورت مین امن و صلح کا تعلق بھی مثل دوسری نیکیون کے "حقوق" کے
ساتھ نہین رہ جاتا، بلکہ یہ چیزین انسان کے لیے بمنزلۂ "فرض" اصلی کے ہو جاتی ہین،
اور فرض بھی اس درجہ کا جسکے سامنے کھانے پینے، سونے پہننے، چلنے پھرنے، حوائج
فطری کی قوت ماند پڑ جاتی ہے،

اخلاقی حیثیت سے پست ترین انسان وہ سمجھا جاتا ہے جو محض اپنی شکم پروری کو
مقصود زندگی سمجھتا ہے، یہ وہ شخص ہوتا ہے جو صرف اپنے جسم اور اپنی جان کو "اپنے"
مین داخل سمجھتا ہے، اس سے بہتر وہ شخص ہوتا ہے، جو اپنے خاندان کی کفالت کرتا ہے،
اور اس سے بہتر وہ جو اپنے قصبہ یا شہر یا اپنے فرقہ کی خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے، یہانتک
کہ متعارف نظام اخلاق کی رو سے بہترین شخص وہ ہے، جو اپنی قوم، مذہب و وطن کو جان
کے برابر عزیز رکھتا ہے، لیکن اس مسلک توحید کے لحاظ سے دائرہ نظر اس سے بھی وسیع
تر ہو جاتا ہے، اور ہر ملک ہر قوم اور ہر فرقہ کے ساتھ یکسان محبت و یگانگت کا
برتاؤ لازمی ہو جاتا ہے،

سعدی نے اسی مرتبہ پر پہنچکر کہا ہے، کہ "کل انسان" نہ صرف ایک مذہب کے پیرو

متحد الاصل اور ایک ہی جسم کے مختلف اعضا ہین کہ کسی ایک عضو کی تکلیف گویا ہر دوسرے عضو کی بھی تکلیف ہی،

بنی آدم اعضاے یکدیگر اند ‏ ‏ ‏ ‏ کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ‏ ‏ ‏ ‏ دگر عضوہا را نماند قرار

تمام موجودات کی اصل ایک ہے، فروع خواہ جتنے ہون۔ ذات ایک ہی صفات خواہ کتنے ہون، نور ایک ہی پرتو خواہ جتنے ہون،

جملہ یک ذات است اما متصف ‏ ‏ ‏ ‏ جملہ یک حرف ست اما مختلف

مولانا ے روم اسی حقیقت یکتا کی تعبیر و توضیح اپنے یکتا طرز و انداز مین یون کرتے ہین ؎

گر ہزاران اند یک کس بیش نیست ‏ ‏ ‏ ‏ جز خیالات عدد اندیش نیست
بحر وحدانی ست جفت و زوج نیست ‏ ‏ ‏ ‏ گوہر و ماہیش غیر موج نیست
نیست اندر بحر شرک پیچ پیچ ‏ ‏ ‏ ‏ لیک با احول چہ گویم ہیچ ہیچ
اصل بیند دیدہ چون اکمل بود ‏ ‏ ‏ ‏ دو ہمی بیند چو مرد احول بود



# باب ۱۵

# مسیحیت اور امن

یہان تک جو کچھ گفتگو تھی، وہ عقلی حیثیت سے تھی، لیکن دنیا کی بہت بڑی آبادی، مذہبی افراد پر شامل ہے، جنکے لیے علم و عقل، فلسفہ و منطق کا کوئی فتوی حجت نہین ہو سکتا، ان کے لیے اگر واجب العمل احکام ہین، تو صرف مذہب کے، انکی تسکین اگر ہو سکتی ہے تو محض ارشادات مذہب سے، ضرورت ہے کہ ان سے تخاطب کے وقت انکے عقاید و باطنی احساسات کا بھی لحاظ رکھا جاے، لیکن کیا کسی مذہب کی تعلیم امن و امان، صلح و آشتی کے کچھ بھی منافی ہی،

مذاہب کی تعداد اگرچہ بہت زاید ہے لیکن اسوقت صرف چار مذاہب ہین، جن کے ماتحت دنیاے متمدن کی بیشتر آبادی منقسم ہے مسیحیت، اسلام، بدھ مت، اور ہندو مذہب، ان مین سے بدھ مذہب کی جو تعلیم اس باب مین ہے اس کا حال بچہ بچہ کو معلوم ہے، ہر شخص جو اس مذہب سے سرسری واقفیت بھی رکھتا ہے، جانتا ہو کہ یہ مذہب دنیا سے خونریزی کو مٹانے کے لیے آیا تھا اور اُسکا اصلی مقصد نفس کشی کی تلقین کرنا تھا، گو تم بدھ کے ارشادات پر اگر انسان پوری طرح عمل کرے تو ساری عمر جہاد نفس کی نذر ہو جائے گی، اور ایک لمحہ کی بھی اسکی فرصت نہ ہو سکے گی، کہ دوسرون سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت آئے، یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے، جسکے لیے کسی تفصیلی ثبوت کی ضرورت نہین،

ہندوون کی کتب مقدسہ کے بعض حصون مین بے شک جنگ و جدل کی تعلیم ملتی ہی،

بلکہ فن حرب وقتال کے اصول وضوابط بھی بتائے گئے ہین لیکن عام روح جوان کے صحف مقدسہ مین سرایت کئے ہوئے ہے، وہ صلح وآشتی امن ومصالحت ہی کی ہے، اس سے قطع نظر کرکے اسوقت ہندوؤن کے ہاتھ مین کوئی سلطنت نہین، اورچونکہ بڑی پیمانہ پر جدال وقتال کی اصلی ٹکسالین حکومتین ہی ہوتی ہین اسلئے پیام امن پر گویا وہ اضطراراً عمل کررہے ہین، ایک محتاج وبینوا کے سامنے اسراف کی خرابیون پر وعظ کہنا تحصیل حاصل ہے

ان دونون مذاہب کے نکال دینے کے بعد صرف مسیحیت واسلام باقی رہ جاتے ہین اور کچھ عرصہ سے یہی دوقومین ایک دوسرے کی حریف بھی نظر آرہی ہین۔ اسلئے انکی تعلیمات پر ذرا تفصیل سے نظر کرنے کی ضرورت ہی، ان مین ترتیباً مسیحیت کو تقدم حاصل ہے، نہ صرف زمانہ تاریخی کے لحاظ سے بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ اسوقت دنیا کی بیشتر حکومتون پر بچشم ظاہر کو اسی مذہب کا پرچم لہراتا نظر آتا ہی،

عیسائی قومین اور حکومتین صدہا سال سے جس جوش وخروش، ہمت واستقلال کے ساتھ کبھی باہم اور کبھی اغیار سے محاربہ ومقاتلہ مین مصروف ہین، جس خلوص سے ان کے خالص مذہبی حلقون مین انکی ان سرفروشیون کی داد دی جاتی ہی، اور شان واہتمام سے کے ساتھ کلیساؤن مین انکی فتحیابی کی دعائین مانگی جاتی ہین، ان سب واقعات سے قیاس ہوتا ہے کہ جدال وقتال مذہب عیسوی مین نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا، لیکن آیئے دیکھین، انکی "کتاب مقدس" کے اس باب مین کیا احکام وارشادات ہین،

حضرت مسیح کی ساری تعلیم کا لب لباب ان کے اس وعظ مین موجود ہے جو انھون نی کوہ زیتون پر جاکر ارشاد فرمایا تھا، اس مین وہ تصریح و تاکید کے ساتھ نہ صرف خون ریزی کو قطعاً حرام قرار دیتے ہین، بلکہ درشت گوئی و سخت کلامی کو بھی بالکل ناجائز بیان فرماتے ہین، ارشاد ہوتا ہے،

"تم سن چکے ہو کہ اگلون سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کر، اور جو کوئی خون کریگا، وہ عدالت کی سزا کے لایق ہو گا، لیکن مین تم سے یہ کہتا ہون کہ جو کوئی اپنے بھائی[1] پر غصہ ہو گا، وہ عدالت کی سزا کے لایق ہو گا، اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا، وہ صدر عدالت کی سزا کے لایق ہو گا، اور جو اسکو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہو گا، پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزرانتا ہو اور وہان تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہین قربانگاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جاکر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آکر اپنی نذر گزران، جب تک تو اپنے مدعی کے ساتھ راہ مین ہے اس سے جلد صلح کرلے" (متی - ۵)

گویا بارگاہ خداوندی مین نذر و نیاز پیش کرنے سے یہ کہین بہتر و افضل ہے، کہ اپنے ابناء جنس کے دلون مین اپنی طرف سے خفیف گنجایش رنجش بھی نہ چھوڑی جائے،

پھر صرف یہی نہین کہ دوسرون سے دشمنی نہ رکھنا چاہیے، یہی نہین کہ دشمنون سے اپنی خطا معاف کرا کے صفائی کرلینی چاہیے، یہی نہین کہ دل کو رنجش و کینہ سی

---

[1] بھائی سے مراد ابنائے نوع انسان یا اپنے اخوان جنس سے ہے،

صاف رکھنا چاہیے، بلکہ ارشاد یہ ہے کہ دشمنون سے دلی الفت ومحبت رکھنا چاہیئے اوران کے حق مین دعائے خیر کرتے رہنا چاہیے، ارشاد ہے،

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت، لیکن مین تم سے یہ کہتا ہون کہ اپنے دشمنون سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والون کے لیے دعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھیرو، کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدون اور نیکون دونون پر چمکاتا ہے، اور راستبازون اور ناراستون دونون پر مینھ برساتا ہے، کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والون ہی سے محبت رکھو تو تمھارے لیے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہین کرتے؟ اور اگر تم فقط اپنے بھائیون ہی کو سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو، کیا غیر قومون کے لوگ بھی ایسا نہین کرتے، پس چاہیئے کہ تم کامل ہو، جیسا تمھارا آسمانی باپ کامل ہے" (متی ۵)

لیکن اگر ہم پر کوئی شخص عملاً ظلم و زیادتی کرنے لگے، کیا اسوقت ہم مدافعت کا بھی خیال نہ کرین؟ انجیل کا جواب ہے، کہ قطعاً نہین بلکہ ایسے موقع پر ہمین انتہائی لینت وعالی ظرفی سے کام لیکر اپنی مظلومیت کو اور زیادہ بڑھا دنیا چاہیے،

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن مین تم سے یہ کہتا ہون کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی تجھ پر نالش

کرکے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے، اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار مین لے جاوے تو اسکے ساتھ دو کوس چلا جا،، (متی ۵)

کیا اس انکسار و فروتنی، اس حلم و لینت، اس ایثار و بے نفسی سے بڑھکر دنیا مین کوئی اور تعلیم مل سکتی ہے؟ کیا جو لوگ انجیل کو کلام الٰہی مانتے ہین، یا اپنے تئین حضرت مسیح کی اُمت مین ظاہر کرتے ہین، ان کے طرز عمل مین اس لحاظ سے مرتبہ ملکوتیت سے کوئی بات بھی کم ہونی چاہیئے؟ اس تعلیم کے بعد اگر بت پرست اقوام حضرت مسیح کو صلح دامن کا دیوتا تسلیم کرین تو اس پر کچھ بھی تعجب ہو سکتا ہے؟

دنیا مین اکثر مناقشات، زر و زمین ہی کے لیے ہوتے ہین، معمولی رنجشون سے لے کر بڑی بڑی سلطنتون کے محاربات عظیم تک، کی تہ مین اکثر یہی طمع یا حب زر کا جذبہ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اسلیے اگر انسان سے یہ جذبہ مٹ جاوے، تو اکثر مناقشات و خون ریزیان از خود فنا ہو جائین گی، اس بنا پر دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح نے مال و دولت کا کیا درجہ قرار دیا ہے، فرماتے ہین،

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو، جہان کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہان چور نقب لگاتے اور چراتے ہین، بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو، جہان نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ، اور نہ وہان چور نقب لگاتے اور چراتے ہین.... کوئی آدمی دو مالکون کی خدمت نہین کر سکتا، کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا، اور دوسرے سے محبت، یا ایک سے ملا رہیگا اور دوسرے کو ناچیز جانیگا، تم خدا اور دولت دونون

کی خدمت نہین کرسکتے" (متی ۶)

جو لوگ سامان معیشت کی تلاش و فراہمی مین مصروف رہتے ہین، ان سے خطاب ہوتا ہے،

"ہوا کے پرندون کو دیکھو کہ نہ بوتے ہین نہ کاٹتے، نہ کوٹھیون مین جمع کرتے ہین تو بھی تمھارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے، کیا تم ان سے زیادہ قدر نہین رکھتے، ..

.... اور پوشاک کے لیے کیون فکر کرتے ہو، جنگلی سوسن کے درختون کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہین، وہ نہ محنت کرتے ہین نہ کاتتے ہین تو بھی مین تم سے کہتا ہون کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان مین سے کسی کے مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا، پس جب خدا ... ان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور مین جھونکی جائیگی، ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو، تم کو کیون نہ پہنائیگا، اسلیے فکرمند ہوکر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائین گے یا کیا پہنین گے، کیونکہ ان سب چیزون کی تلاش مین غیر قومین رہتی ہین، اور تمھارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزون کے محتاج ہو" (متی ۶)

اگر اس تعلیم کے کسی جزو پر بھی عمل ہوتا، تو یورپ کی گذشتہ جنگ کا وقوع ممکن تھا؟

نفسانیت و حسد کا ایک بہت بڑا مظہر یہ ہے کہ انسان کی نظر دوسرون کے عیوب پر رہتی ہے اور اپنی صحبت مین دوسرون پر نکتہ چینی کرتا رہتا ہے، حضرت مسیح نے فتنہ و فساد کے اس شجر ملعونہ کی پوری طرح بیخ کنی کردی ہے،

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے کیونکہ جس طرح تم عیب

جوئی کرتے ہو، اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے بھی ناپا جائے گا، تو کیون اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہین کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ مین شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ مین سے تنکا نکال دون؟ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ مین سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ مین سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا" (متی ۷)

عفو و درگزر کے متعلق تصریح کے ساتھ یہ وعدہ موجود ہے، کہ

"اگر تم آدمیون کے قصور معاف کروگے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہارے قصور معاف کریگا، اور اگر تم آدمیون کے قصور نہ معاف کروگے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کریگا" (متی ۶)

یہ عفو و درگزر کی خصلت اگر عام ہو جائے، تو دنیا سے فی الفور فساد و بدامنی کا خاتمہ ہو جائے

اسی وعظ کے آغاز مین حضرت مسیح نے اپنے سچے پیروون کی خود ہی کچھ علامات بتائی ہین، یہ سعادت کن لوگون کے نصیب مین آسکتی ہے، صرف منکسر، غمگین، حلیم، راست باز، رحم دل، پاکباز، و صلح جو افراد کے نصیب مین،

"مبارک ہین وہ جو دل کے غریب ہین، کہ آسمان کی بادشاہت انہین کی ہے"

"مبارک ہین وہ جو غمگین ہین، کیونکہ وہ تسلی پائین گے"

"مبارک ہین وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہین کیونکہ وہ آسودہ ہونگے"

"مبارک ہین وہ جو رحم دل ہین، کیونکہ ان پر رحم کیا جائیگا"

"مبارک ہین وہ جو پاک دل ہین کیونکہ وہ خدا کو دیکھین گے"

"مبارک ہین وہ جو صلح کراتے ہین کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائین گے" (متی-۵)

یہ معیار خود حضرت مسیح کا قایم کیا ہوا ہے، اسکے مطابق جانچ کر فیصلہ کرنا چاہیے، کہ مسیحی یورپ کے کتنے فرد حقیقۃً "مسیحی کہلائے جانے کے مستحق ہین،

اقتباسات بالا مسیح کے وعظ کوہ کے تھے، لیکن اسکے علاوہ بھی ساری انجیل اسی قسم کی تعلیمات سے لبریز ہے، عجز و انکسار، حلم و فروتنی، عفو و درگزر، الفت و محبت، ایثار و بے نفسی کے جلوے قدم قدم پر نظر آتے ہین اور ظلم و زیادتی و پیشدستی تو کجا، مدافعانہ خونریزی کا بھی جواز نہین ملتا،

ایک مرتبہ کسی شاگرد نے دریافت کیا کہ آسمان کی بادشاہت مین بڑا کون ہی؟ اسکے جواب مین حضرت نے ایک بچہ کو بلا کر ان کے بیچ مین کھڑا کر دیا، اور کہا کہ "... جو کوئی اپنے آپ کو اس بچہ کی مانند چھوٹا بنائے گا، وہی آسمان کی بادشاہت مین بڑا ہوگا"[۱]

ایک مرتبہ ایک اور شاگرد نے آکر دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص میرا گناہ کرتا ہے تو اسے کتنی مرتبہ معاف کرنا چاہیے؟ سات مرتبہ تک؟ اسکے جواب مین "اس خدائے حلم کا ارشاد" ہوا کہ

"سات دفعہ نہین، بلکہ سات دفعہ کے ستر گنے تک"[۲]!

کاش موجودہ یورپ کو اس ارشاد کے عشر عشیر پر بھی عمل کی توفیق ہوتی!

---

[۱] متی-باب ۱۸-لوقا باب ۹- [۲] متی باب ۱۸

حضرت مسیح کو زر و مال، دولت و ثروت سے جو نفرت تھی، اس کا اندازہ ان کی اس ارشاد سے ہو سکتا ہے، کہ

"دولتمند کا آسمان کی بادشاہت مین داخل ہونا مشکل ہے، اور پھر تم سے کہتا ہون کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے مین سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت مین داخل ہو[1]"

معلوم نہین کہ انجیل کے جو نسخے یورپ کے شاہان تجارت کے کتبخانون مین موجود ہین ان مین ارشاد بالا درج ہے یا نہین،

اس سے بھی بڑھکر یہ واقعہ ہے، کہ ایک مرتبہ کسی دولتمند شخص نے آکر دریافت کیا کہ حیات ابدی کے حصول کا کیا ذریعہ ہے، آپ نے جواب دیا، کہ "احکام خداوندی پر عمل کر، اور وہ احکام یہ ہین، کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے اپنے باپ اور مان کی عزت کر، اور اپنے پڑوسی سے اپنے ہی مانند محبت رکھ" سایل نے عرض کیا کہ "ان احکام پر تو آغاز عمر سے عمل کر رہا ہون"، ارشاد ہوا کہ "مگر ابھی ایک بات کی تجھ مین کمی ہے، جا، اور جو کچھ تیرا ہے بیچ کے غریبون کو دے آ، تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا" مگر اس بدنصیب پر حب زر غالب تھا، محروم واپس چلا گیا[2]

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ "افسوس ہے تم پر جو دولتمند ہو، کیونکہ تم اپنا اجر پا چکے[3]" (یعنے آخرت مین تمھارے لیے کچھ نہین ہے،)

---

[1] متی باب ۱۹، لوقا باب ۱۸، مرقس باب ۱۰، [2] مرقس باب ۱۰، متی باب ۱۹، [3] لوقا باب ۶،

ان تصریحات کے بعد موجودہ مسیحی اقوام اپنے ہی عقاید کی رو سے اپنے حشر کی بابت
کس قسم کی توقعات رکھ سکتی ہین،

متی کی روایت کے مطابق حضرت نے پہاڑ پر جاکر جو وعظ فرمایا تھا، اسکے اقتباسات
اوپر گذر چکے ہین، لوقا نے بھی اس وعظ کے خلاصہ کو اپنی زبان مین قلمبند کیا ہے،
اسکے مطالعہ سے حقیقی مسیحی تعلیم کا سمان ایک بار پھر نظر کے سامنے پھر جائیگا،

"مین تم سننے والون سے کہتا ہون کہ اپنے دشمنون سے محبت رکھو، جو تم سے عداوت
رکھین ان کا بھلا کرو، جو تم پر لعنت کرین، انکے لیے برکت چاہو، جو تمھاری بے عزتی
کرین انکے لیے دعا مانگو، جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف
پھیر دے، اور جو تیرا چوغہ لے اسکو کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر، جو کوئی تجھ سے مانگے
اسے دے، اور جو تیرا مال لے لے اس سے طلب نہ کر..... اگر تم اپنے محبت رکھنے والون
ہی سے محبت رکھو تو تمھارا کیا احسان ہے، کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والون سے
محبت رکھتے ہین، اور اگر تم انھین کا بھلا کرو، جو تمھارا بھلا کرتے ہین تو تمھارا کیا احسان
ہے، کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہین..... تم اپنے دشمنون سے محبت رکھو اور بھلا
کرو، اور بغیر نا اُمید ہوے قرض دو، جو تمھارا اجر بڑا ہوگا، اور تم خدا کے بیٹے ٹھہروگے،
کیونکہ وہ ناشکرون اور بدون پر بھی مہربان ہے، جیسا تمھارا باپ ہے ایسے ہی تم
بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ
ٹھہرؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہراے جاؤگے، خلاصی دو تم بھی خلاصی پاؤگے، دیا کرو تمھین بھی

دیا جائیگا، اچھا پیمانہ داب داب کر، اور ہلا ہلا کر اور لبریز کر کے تمھارے پلہ مین ڈالین گے،
کیونکہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے لیے ناپا جائیگا۔"[1]

کیا مسیحی اقوام کے طرز عمل کو اس تعلیم سے کوئی ادنی مناسبت بھی ہی؟

مسیحی اقوام شاید اس خیال مین ہین کہ فتوحات ملکی اُنھین صراط مستقیم کے قریب لا
آئین گی، لیکن ان کے خدا کا فرمان یہ ہے، کہ خدا کی بادشاہت ظاہری طور پر کبھی نہ آئیگی
جسے مکان وجہت کے مادی قیود سے متعین کر کے بتایا جا سکے گا، بلکہ وہ محض باطنی بادشاہت
ہے، جو نفوس انسانی کے اندر اس وقت بھی موجود رہے،[2]

موجودہ متمدن دنیا مین خودداری کا جو مفہوم شائع ہے، اسکے لحاظ سے یہ واقعہ
کسقدر عجیب ہے، کہ جو لوگ حضرت مسیح پر ایمان لے آے تھے، بلکہ جو موجودہ مسیحیون کے بقول
انھین خدا سمجھتے تھے، خود حضرت مسیح اپنے ہاتھون سے ان کے پیر دھوتے تھے،
اور انھین رومال سے پونچھتے تھے،[3] یہ طرز عمل "خدا" کا بندون کے ساتھ تھا، لیکن کیا
اِسوقت بندے خدا کے مقابلہ مین بھی اسی فروتنی وانکسار کے استعمال پر آمادہ ہین؟

آج جو قومین اپنی عظمت کی تلاش ادعا و تعلی، خود بینی و خود نمائی مین کر رہی ہین
ان کے کان اس پیام ربانی کی طرف سے بہرے ہین، کہ

"جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائیگا وہ چھوٹا کیا جائیگا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائیگا
وہ بڑا کیا جائے گا،[4]

---

[1] لوقا باب ۶، [2] لوقا باب ۱۷، [3] یوحنا باب ۱۳، [4] لوقا باب ۱۴،

جسوقت حضرت مسیح کو سرکاری پیادون نے حملہ کرکے گرفتار کیا ہو۔ اسوقت ایک حواری سے نہ ضبط ہو سکا، اور اس نے حملہ آورون مین سے ایک پر وار کر ہی دیا، لیکن رحم و رافت، عفو و حلم کے مظہر ربانی نے اسوقت فوراً اپنے جان نثار کو سرزنش کی کہ "اپنی تلوار میان مین کر، کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہین، وہ سب تلوار سے ہلاک کیے جائینگے"

اگر جرمنی و انگلستان، روس، فرانس، آسٹریا و اٹلی، قدیم رومہ و جدید امریکا کے کلیسا زمین اس پیام امن کی منادی ہوتی رہتی، تو آج دنیا کی تاریخ کسقدر مختلف ہوتی! رومی تاجدارونکی سفاکیان اور انکے زمانے کے مناظر سیافی، شاہان روس کی خون آشامیان، نپولین کی خونریزیان، انقلاب فرانس کے شداید تیرہوین صدی عیسوی کے محاربات صلیبی انگریزی حکومت کی جوع الارض انارکزم کی شریعت قتل و غارت، ہڑتالون بلوون اور بغاوتون کا تسلسل بالشویکون کی ستم آرائیان، اور گزشتہ عالم گیر جنگ کی حشر انگیزیان، ان مین سے کسی شے کا بھی وجود ہوتا؟ لیکن شاید فطرت کو یہ منظور نہ تھا، کہ دنیا جنت بن جائے، کہ پھر اس صورت مین جنت کی تمنا ہی کس کو رہ جاتی؟

ان تصریحات کے بعد اور مسیحیون کے اس طرز عمل کو پیش نظر رکھکر جو مسیحیت کے سرتاسر منافی ہے، اگر روح اللہ کی روح سے آج یہ صدا آرہی ہو تو کیا عجب ہے کہ

"یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے لیکن انکا دل مجھ سے دور ہے، اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہین" (مرقس باب ۷)

# باب

## اسلام اور امن

مسیحیت کے جو احکام امن سے متعلق ہین، انکی تصریح گزر چکی، لیکن اُس مذہب کی اِس باب مین کیا تعلیم ہے، جسکے پیرودن کی تعداد کہا جاتا ہے کہ دنیا مین اسوقت تیس کرور ہے، جسکا نام "عقلائے یورپ" نے مذہب شمشیر رکھا ہے، جسکے متعلق دانایان فرنگ کا دعوی ہو کہ وہ قتل وخونریزی کا معلّم ہے اور جسکے یہان جہاد ایک فریضۂ مذہبی کی حیثیت رکھتا ہے، جس امت کے پیمبر نے بارہا خود جہاد کیا ہو، جس شریعت نے مقاتلۂ کفار کو وسیلۂ جنت بتایا ہو، جس مذہب نے غزا کو اعمال حسنہ مین سب سے اونچے درجہ پر رکھا ہو، ایسے مذہب اور ایسی شریعت سے بھلا تائید امن و آشتی کی کیا توقع ہو سکتی ہو؟ اسکے ہان تو قدم قدم پر جدال وقتال، کشت وخون کی تاکید ملیگی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی مذہب نے امن دامان کو اپنا نصب العین قرار دیا ہو، اور مستقل وپایدار حالت امن کے اسباب وبواعث کے بہم پہنچنے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، تو وہ اسلام ہی ہے، اس مین شبہہ نہین کہ قیام امن کی تاکید اپنے اپنے پیروؤن پر دنیا کے ہر مذہب نے رکھی ہے، لیکن اسلام کی فضیلت مخصوص یہ ہے کہ اس نے جس اہتمام کے ساتھ اس مقصد کے حصول پر زور دیا ہے، جس تفصیل ووضاحت کے ساتھ اسکے تدابیر و ذرائع بیان کیے ہین، اور جس جامعیت کے ساتھ اسکے موجبات موانع

پر نظر کی ہے، اسکی نظیر سے دنیا کا مذہبی لٹریچر خالی ہی،

اوپر کے کسی باب مین دکھایا جاچکا ہے کہ دنیا کے سارے اختلافات ومنافشات کی بنیاد انسان کے جذبہ خودی پر ہے، جسکے باعث ایک کو دوسرے سے مغایرت پیدا ہوتی ہے، اور یہی رفتہ رفتہ مخالفت بلکہ منافرت کی شکل اختیار کرلیتی ہے، اس زہر کا سب سے بڑا تریاق عقیدہ توحید ہو یعنی اگر انسان کو دوسرون سے کوئی اصولی اختلاف نہ نظر آئے، وہ اپنے کو تمام موجودات سے متحد سمجھنے لگے، اور بجائے کثرت وتعدد کے اسے ہر طرف وحدت ہی کی جلوہ آرائیان نظر آنے لگین، تو عداوت بلکہ مغائرت واجنبیت تک کا جذبہ اسکے دل سے محو ہو جائے، اور کائنات مین ہر سمت امن وآشتی کی منادی ہو جائے،

اسلام کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ اسنے اپنے نظام عقاید مین بلند ترین مرتبہ اسی عقیدہ توحید کو دیا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسلام کا مقصدِ حقیقی صرف منادیٔ توحید ہے، باقی اور تمام مسایل ضمناً وفرعاً آگئے ہین، مخالفین تک کو یہ تسلیم ہے کہ عقیدۂ توحید جس مکمل صورت مین اسلام مین ملتا ہے، اور کہین نہین ملتا اگر وہ تمام آیات قرآنی جن مین توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت ہے یکجا کی جائین تو ایک اچھی خاصی ضخامت کی مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے، خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ تمام کائنات کی اصل خدا، اور صرف خدا ہی اور اسکے سوا اور کسی ہستی کی جانب خلق، امر، یا وجود حقیقی کا انتساب کرنا شرک ہی،

جن لوگون کا عقیدہ توحید راسخ ہے، جو لوگ اس پر اعتقاد رکھتے ہین کہ ہستی مطلق انسان کی رگِ جان سے بھی قریب[1] تر ہی

[1] نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

جو اشخاص اس پر یقین رکھتے ہین کہ موجودات کے ذرہ ذرہ کا مبدا اور مرجع صرف وہی ذات واجب الوجود ہی ہے[1]، جن افراد کو اس کا اذعان ہے، کہ ہر شے کی ابتدا و انتہا ظاہر و باطن سب خدا ہی ہے[2]، جن نفوس کا اس پر ایمان ہے کہ جملہ حوادث عالم محض مشیت باری تعالیٰ کے مختلف مظاہر و شئون ہین[3]، اور جو لوگ اسکے قایل ہین کہ کفر و ایمان دونون کا خالق ایک ہی ہے[4]، بھلا وہ کبھی اور کسی حالت مین بھی کسی سے عداوت و منافرت کا جذبہ از راہ نفسانیت رکھ سکتے ہین؟ اگر کسی صنعت کی تنقیص کرنا صانع کی منقصت کی مستلزم ہے، تو مخلوقات مین سے کسی کی عیب جوئی کرنا بدرجہ اولی اسکے خالق کی کھلی ہوئی توہین و تنقیص ہوگی

پھر قرآن نے صرف روحانی اتحاد اصل و اشتراک پر بس نہین کی، بلکہ تصریح کے ساتھ یہ بھی کہدیا کہ جسمانی و مادی حیثیت سے تمام نسل انسانی ایک ہی خاندان کی ہے، سب کے والدین ایک ہی ہین، اور آج دنیا مین جو مختلف جماعات و قبایل نظر آرہے ہین، سو یہ تقسیم صرف اسلیے ہی کہ باہمدگر امتیاز و شناخت ہو سکے،

| | |
|---|---|
| یاایہا الناس انا خلقنکم من ذکر | اے انسانو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے |
| وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل | پیدا کیا اور تمہارے خاندان و قبایل بنائے تاکہ تم |
| لتعارفوا (حجرات - ع ۲) | ایک دوسرے سے پہچانے جاو، |

اس اتحاد اصل و نسل کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد مغایرت و منافرت کا شائبہ تک

(۱) اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ، (۲) والیہ ترجع الامور (۳) وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (۴) والیہ المصیر وغیرہ
[2] ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن، [3] قل کل من عند اللہ [4] ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن۔

نہین باقی رہ سکتا ہی،

---

شرک سے قطع نظر کرکے جو تمام تر ایک ذہنی واعتقادی مسئلہ ہے، اعمال کی فہرست مین اسلام نے بدترین معصیت فتنہ وفساد کو قرار دیا ہے، قرآن مین اسکے لیے شدید ترین وعیدین وارد ہوئی ہین، اور تکرار وتواتر کے ساتھ اس سے محترز رہنے کی تاکید آئی ہی، آیات ذیل ملاحظہ ہون،

الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک هم الخسرون ۵ (بقرہ رکوع ۳) — جو لوگ خدا کا عہد ایک مرتبہ باندھ چکنے کے بعد توڑتے ہین اور خدا نے جن رشتون کے جوڑے رہنے کا حکم دیا ہے، انھین کاٹتے ہین، اور زمین پر فساد کرتے پھرتے ہین، وہی گھاٹے مین رہین گے۔

ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقرہ رکوع ۷، زمین پر فساد کرتے نہ پھرو،

والله لا یحب الفساد (بقرہ رکوع ۲۵) — خدا فساد کو پسند نہین کرتا۔

والله لا یحب المفسدین (مائدہ رکوع ۹) — خدا مفسدین کو دوست نہین رکھتا،

ولا تبغ الفساد فی الارض (قصص رکوع ۸) زمین مین فساد نہ پھیلاؤ،

یہ چند آیات نمونہ کے طور پر درج کی گئین، ورنہ اس مضمون کی کل آیات بیسیون کی تعداد مین موجود ہین،

اسلام نے صرف فتنہ وفساد کو معصیت کبری قرار دینے پر اکتفا نہین کی بلکہ جو

چیزین محرک فساد ہو سکتی تھین، سرے سے انھین کی جڑ کاٹ دی، دنیا مین جتنی محاربات برپا ہوتے رہتے ہین، عموماً انکے تہ مین حب جاہ، حب زر، حب اقتدار کے جذبات کام کرتے ہوتے ہین، جرمنی اسلیے اعلان جنگ کرتا ہے، کہ انگریزون کے بحری مقبوضات اسکے مقابلہ مین بہت زاید ہین، انگلستان اسلئے مصروف پیکار ہوتا ہے کہ جرمنی کی روز افزون طاقت سے اسے اپنی قوت کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے غرض اسی طرح اکثر جنگ کے پردہ مین مال و دولت کی طمع کام کرتی ہوتی ہے، اسلام نے اپنے پیروون کے سامنے جس فردوس عمل کا نقشہ پیش کیا ہے، اس مین "شجر ممنوعہ" اسی دنیوی مال و دولت کو قرار دیا ہے کہ جب اس مادی زندگی کی محبت ہی دل سے نکل جاے گی، تو مسابقت و مفاخرت کا از خود خاتمہ ہو جائے گا، قرآن نے صدہا مختلف پیراوین اور اسلوبون سے حیات دنیوی کی مذمت و منقصت کی ہے، اور اسکی بے ثباتی پر سطر سطر مین زور دیا ہے، مثلاً

| | |
|---|---|
| زین للناس حب الشہوات من النساء | انسان کی فطرت ایسی ہی، کہ اسے مرغوبات دنیوی |
| والبنین والقناطیر المقنطرة من الذھب | (مثلاً) ازواج و اولاد اور زر و سیم کے بڑے بڑے |
| والفضة والخیل المسومة والانعام | ڈھیرون اور عمدہ گھوڑون اور مویشیون اور کھیتون |
| والحرث ذلک متاع الحیوة الدنیا | کے ساتھ دلبستگی ہوتی ہی حالانکہ یہ دنیوی زندگی |
| واللہ عندہ حسن المآب (آل عمران رکوع ۲) | عارضی فواید ہین اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اسی اللہ کے ہان ہی |
| واعلموا انما اموالکم واولادکم | اور خوب واقف ہو کہ تمھاری اولاد اور تمھارا مال تمھارے |

| | |
|---|---|
| فتنہ، (انفال رکوع ۳) | لیے فتنہ ہے، |
| یقوم انما ھذہ الحیوۃ الدنیا متاع | اے قوم یہ حیات دنیوی محض چند روزہ ہی اور مستقل |
| وان الاخرۃ ھی دار القرار (مومن رکوع ۵) | جگہ تو وہی آخرت ہی، |
| انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو (محمد رکوع ۴) | یہ حیات دنیوی تو محض ایک کھیل ہی، |
| وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو ولعب | یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے، اور |
| وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان (عنکبوت رکوع ۷) | دار آخرت ہی کی زندگی اصل زندگی ہی، |
| اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو و | جانے رہو کہ حیات دنیوی بس یہی کھیل تماشا |
| زینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال | ظاہری طمطراق آپس مین ایک دوسرے پر فخر کرنا اور |
| والاولاد (حدید رکوع ۳) | ایک دوسرے سے بڑھکر مال و اولاد کا خواستگار رہونا ہے، |
| زین للذین کفروا الحیوۃ | جو لوگ کافر ہین، انکی نظرون مین ہم نے حیات دنیوی کو |
| الدنیا (بقرہ ع ۲۶) | زینت دے رکھی ہی |
| وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور (آل عمران ع ۱۹) | دنیا کی زندگی بجز دھوکھے کی پونجی کے اور کچھ نہین، |

ایک جگہ یہان تک کہہ دیا ہے کہ آسمانی بادشاہت صرف انہین لوگون کا حصہ ہے جو دنیوی حیثیت سے مسکین اور مادی کشمکش سے الگ رہتے ہین،

| | |
|---|---|
| تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون | یہ آخرت کا گھر مخصوص انہین لوگون کے لیے ہے، |
| علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ | جو دنیا مین اپنی برتری کے خواہان نہین ہین اور |
| للمتقین (قصص رکوع ۹) | فساد نہین کرتے اور انجام بخیر پرہیزگارون ہی کے لیے ہے |

جس شریعت نے دنیا اور حیات دنیوی کا مرتبہ اسقدر پست رکھا ہے، وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اسکی روادار نہین ہوسکتی کہ اس پر ایمان رکھنے والی قوم، دولت وجاہ، سلطنت وحکومت، زر و زمین کے لیے تلوار ہاتھ مین لے،

ان تصریحات کے پہلو بہ پہلو قرآن نے بالواسطہ بھی نفس انسانی مین دنیا کی بے ثباتی اور دولت وحکومت کی بے حقیقی کا نقش بٹھانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین ہونے دیا، فطرت بشری دوسرون کے عبرتناک انجام سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہے، قرآن مجید نے اس آلہ سے پوری طرح کام لیا، اور اقوام گزشتہ ومشاہیر افراد کے جتنے قصے بیان کئے یہ نکتہ ان سب مین ملحوظ رکھا ہے، کہ ان کے سننے اور پڑھنے سے انسان کی مادی خواہشون اور تمناؤن، حرص وطمع، کبر وغرور کا زبردست دیو مغلوب ہو، قوم عاد وثمود، فرعون ونمرود ان سب کے واقعات مین یہ خصوصیت مشترک ہے، مثال کے طور پر ہم صرف ایک حکایت درج کرتے ہین، جو جاہ و دولت، زینت وامارت کے نقش برآب ہونے کی ایک بولتی ہوئی تصویر ہے، اور جسے بغور پڑھنے کے بعد ممکن نہین کہ بڑے سے بڑے ہوس پرست کا دل بھی کچھ دیر کے لیے متاثر نہ ہو جائے،

| | |
|---|---|
| ان قارون کان من قوم | قارون موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) مین ایک |
| موسیٰ فبغی علیہم وآتیناہ | شخص تھا، پھر وہ ان پر ظلم کرنے لگا، اور ہم نے |
| من الکنوز ما ان مفاتحہ | اسکو اسقدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی |
| لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ | زور آور مرد اسکی کنجیان بمشکل اٹھا سکتے تھے، |

إذ قال له قومه لا تفرح إن
الله لا يحب الفرحين وابتغ
فيما آتاك الله الدار الآخرة
ولا تنس نصيبك من الدنيا
وأحسن كما أحسن الله إليك
ولا تبغ الفساد في الأرض إن
الله لا يحب المفسدين. قال
إنما أوتيته على علم عندي
أولم يعلم أن الله قد أهلك
من قبله من القرون من هو أشد
منه قوة وأكثر جمعا. ولا يسئل
عن ذنوبهم المجرمون فخرج على
قومه في زينته قال الذين يريدون
الحيوة الدنيا يليت
لنا مثل ما أوتي قارون
إنه لذو حظ عظيم وقال
الذين أوتوا العلم ويلكم

ایک مرتبہ اسکی قوم کے بعض لوگون نے اس سے
کہا کہ اترایا مت کر خدا اترانے والون کو
پسند نہین کرتا، اور یہ جو (سازوسامان)
خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس مین سے کچھ آخرت
کے گھر کی بھی فکر کرتا رہ (البتہ) دنیا سے جو تیرا حصہ ہے
اسکو فراموش نہ کر، اور جس طرح خدا نے تیرے
ساتھ احسان کیا ہے، تو دوسرون کے ساتھ احسان
کرتا رہ اور ملک مین فساد کا خواہان نہ ہو کیونکہ خدا مفسدون کو
پسند نہین کرتا؛ اس نے جواب دیا کہ یہ (جاہ و ثروت)
تو مجھکو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، کیا قارون نے
یہ کہتے وقت یہ خیال نہ کیا کہ اس سے پہلے خدا پچھلی امتون مین
ایسے ایسے لوگون کو ہلاک کر چکا ہے جو بلحاظ جاہ و حشمت (
اس سے کہین زیادہ قوت رکھتے تھے، اور بہ لحاظ سرمایہ بھی اس سے
کہین بڑھے ہوئے تھے اور گنہگارون سے سزا کے وقت پوچھ گچھ نہین کی
جایا کرتی، اسکے بعد (ایک روز) قارون اپنی شان و شوکت
کے ساتھ اپنی قوم والون کے سامنے نکلا، تو جو لوگ حیات دنیوی
کے طلبگار تھے (حسرت سے) کہنے لگے کہ جیسا کچھ سازوسامان

ثواب الله خير لمن آمن
وعمل صالحا ولا
يلقاها الا الصابرون
فخسفنا به وبداره الارض
فما كان له من فئة
ينصرونه من دون الله وما كان
من المنتصرين واصبح الذين
تمنوا مكانه بالامس يقولون
ويكان الله يبسط الرزق لمن يشاء
من عباده ويقدر لولا ان مَنّ الله
علينا لخسف بنا ويكانه لا يفلح
الكافرون (قصص رک)

قارون کے پاس ہے اے کاش ہمارے پاس بھی ہوتا، اسمین شک
نہین کہ قارون بڑا ہی خوش قسمت ہے البتہ جن لوگون کو خدا کے
ہان سے علم کی دولت دی گئی تھی وہ بولے کم بختو تمھاری سمجھ پر افسوس
جو شخص ایمان لاتا اور عمل نیک کرتا رہا اسکا ثواب تو قارون کے مال و
دولت سے کہین بڑھکر ہے مگر وہ ثواب بجز صبر کرنے والون کے اور کسی کو نہین
ملتا پھر ہم نے قارون اور اسکی کوٹھی کو زمین مین دھنسا دیا، اسوقت
کوئی جماعت اسکی مدد کو نہ اٹھی اور نہ وہ خود اپنے تئین بچا سکا اور
جو لوگ کل شام تک اسکی جگہ ہونے کی آرزو کرتے تھے وہ آج صبح کہنے
لگے کہ ارے غضب خدا ہی اپنے بندون سے جسکی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے
اور جسکی چاہتا ہے محدود کر دیتا ہے اور اسکا کرم اگر ہم پر نہوتا تو ہمکو بھی
وہ قارون کی طرح دھنسا دیتا ارے غضب بات یہ ہے کہ ناشکرون کو فلاح
نصیب نہین ہوتی،

اس قسم کے عبرت انگیز حکایات و قصص کے بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانون کے دلون پر مال و ثروت کی بے حقیقتی کا گہرا نقش ثبت ہو، اور مادی شان و شوکت کی طرف سے انکی طبیعت از خود ہٹ جائے،

ایک مسلمان کو اپنے مخالفین کے ساتھ کیونکر پیش آنا چاہیے، عام دنیا کے ساتھ اسکا کیا سلوک رہنا چاہیے، اور اگر اغیار اسکے مذہب و معتقدات پر اعتراض کرین تو انکے مقابلہ

ہین اسے اپنا کیا طرز عمل رکھنا چاہیے، قرآن نے ان مین سے ہر سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ دیاہے، عفو و درگزر، حلم و تحمل، اور احسان عام کا اس سے باربار حکم دیاہے، صرف مسلمانو کے مقابلہ مین نہین بلکہ کل دنیا کے مقابلہ مین جس مین کفار بھی شامل ہین، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہی

قولوا قولا حسنا ٥ بقرہ رک ۱۰ لوگون سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ،

یہ نہین کہا کہ صرف مسلمانون سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ،

ایک مقام پر جہان نیک کار و فلاح یافتہ بندون کے خصایل بیان کئے ہین وہان یہ ہے کہ

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین، (آل عمران رک ۱۴) وہ لوگ ہین جو غصہ کو ضبط کرتے ہین اور لوگون کے قصور سے درگزر کرتے ہین اور خدا احسان کرنیوالون کو دوست رکھتا ہی،

یہان بھی عفو و احسان کی ہدایت عام ہے، مومن و کافر کی کوئی تفریق نہین نیک کارون کی شناخت یہ بتائی گئی، کہ

یدرؤن بالحسنۃ السیئۃ (قصص رک ۶) وہ برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہین،

اور جب برون سے سابقہ پڑ جاتا ہی، تو کمال حلم و رواداری ان سے کنارہ کش ہوجاتے ہین،

واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ و قالوا لنا اعمالنا ولکم وہ جب لغویات سنتے ہین تو اس سے کنارہ کش ہوجاتے ہین اور ان سے کہدیتے ہین کہ ہمارے

اعمالکم، (قصص رک ۶) اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ،

برائی کے جواب مین نرمی کرنا چاہیے،

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ (مومنون رک۶) برائی کو نرمی کے ساتھ دور کرو،

خود سرور کائنات کو ہدایت ہو کہ،

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عفو کی عادت اختیار کرو اور نیکی کی تلقین کرتے رہو

عن الجاھلین، (اعراف رک۲۴) اور جاہلون سے سابقہ پڑے تو کنارہ کش ہو جاؤ،

اہل کتاب سے مقابلہ کے وقت ہمیشہ بہ لطف و آشتی پیش آتے رہنا چاہیے،

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کرو، مگر اس صورت

ھی احسن (عنکبوت رک۵) جو عمدہ و شائستہ ہو،

نیکون کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی ہے، کہ

اذا ما غضبوا ھم یغفرون (شوریٰ رک۴) جب انکو غصہ آجاتا ہے تو درگزر سے کام لیتے ہین،

یہان بھی یہ قید نہین لگائی گئی ہے کہ صرف مسلمانون ہی کے مقابلہ مین درگزر سے کام لیتے ہین

تبلیغ دعوت کے وقت رسول اللہ صلعم کو یاد دلایا جاتا ہے،

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ لوگون کو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بلاؤ تو حکمت

الحسنۃ جادلھم بالتی ھی اور نیک نصائح کے ذریعہ سے، اور اگر بحث کرو تو شائستہ

احسن (نحل رک۱۶) و پسندیدہ طریقہ سے،

برگزیدہ و مقبول خدا بندون کی بڑی پہچان یہ ہوتی ہے کہ،

یمشون علی الارض ھونا واذا — وہ زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہین، اور جب جاہل
خاطبھم الجاھلون قالوا — ان سے جہالت کی باتین کرنے لگتے ہین تو وہ سلام
سلما (فرقان - رکٹ) — کرکے الگ ہو جاتے ہین،

خالق ذوالجلال نے خود اپنی شان یہ بتائی ہے کہ

ورحمتی وسعت کل شئی (اعراف رک ۱۹) — میری رحمت ہر شے پر محیط ہے،

یہ نہین فرمایا کہ میری رحمت فلان فرقہ کے ساتھ مخصوص و محدود ہے، اور چونکہ وہ خود رحمت مطلق ہے، اسلئے دنیا کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا ہی کہ

ان الحسنات یذھبن السیات (ھود رک ۱۱) — خوبیان برائیون کو دور کر دیتی ہین،

بہ الفاظ دیگر اپنے ابنائے جنس کے نقائص و عیوب کے بجائے ان کی خوبیون پر نظر رکھو اپنے حبیب و محبوب پیمبر اسلام کا وصف کیا بیان کیا؟ رحمۃ العالمین یہان بھی وہی شان اطلاق و ہمہ گیری ہی ساری عالم کے لیے رحمت، محض ایک گروہ کے لیے رحمت نہین۔

فرعون سے بڑھکر عصیان و طغیان کا مجسمہ دنیا مین اور کون گزرا ہے، جس نے انکار خدا ہی پر اکتفانہ کی، بلکہ خود مدعی الوہیت ہو گیا، اور جیسے کچھ مظالم اپنی غریب رعایا پر کئے انکے رعشہ انگیز تذکرون سے قرآن لبریز ہے، اس پر بھی جب موسیٰ وہارون اسکی فہمایش کے لیے بھیجے جاتے ہین تو ساتھ ہی یہ بھی ہدایت ہوتی ہی کہ

قولا لہ قولا لینا (طہٰ - رکٹ) — اس سے گفتگو مین نرمی کرنا،

غور کرو، یہ ارشاد فرعون سے متعلق ہی، پھر آج کیا دنیا کا بدترین انسان بھی فرعون سے زیادہ سختی کا مستحق ہو سکتا ہی؟

حضرت مسیح کو جتنی تکلیف انکی امت نے دی، اس سے زیادہ اذیت کون امت کسی نبی کو پہنچا سکتی ہے، انتہا یہ ہے کہ خدا کے ساتھ انکی پرستش شروع کر دی، بااین ہمہ جب قیامت مین ان باطل پرستون سے مواخذہ ہونے لگے گا، تو حضرت مسیح عذاب کی سفارش نہ کرین گے، بلکہ عرض کرین گے، کہ

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم (مائدہ۔ رک ۱۶)

اگر تو ان پر عذاب کرنا چاہے، تو یہ تیرے بندہ ہین (تجھے اختیار ہے) اور اگر بخش دینا چاہے تو تو ہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے،

کفار و مشرکین سے گفتگو کے وقت، اسکی تاکید آئی ہے، کہ انکے مقابلہ مین درشتی سے نہ کام لیا جائے، ورنہ وہ بھی بدزبانی سے کام لین گے،

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم، (انعام۔ رک ۱۳)

جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودون کو بلاتے ہین انکو برا نہ کہو، ورنہ وہ بھی اپنی نادانی سے ناحق خدا کو برا کہہ اٹھین گے۔

پھر یہ بھی ممکن ہے، کہ انسان جس کسی کو گمراہ، بدعقیدہ، بداعمال سمجھتا ہے، اس کی بابت زبان سے تو کچھ نہ کہے تاہم دل مین اس کے متعلق سخت ترین مخالفانہ ودشمنانہ جذبات رکھے خداے اسلام کی حکمت کاملہ نے سرے سے اس تخیل ہی کی جڑ کاٹ دی ہے قرآن مین باربار تصریح آتی ہے کہ ہدایت وضلالت کا فیصلہ کرنے والے تم نہین، ہم ہین۔ یہ کہنے کا حق کہ فلان شخص گمراہ ہے علام الغیوب ودانندۂ اسرار ہی کو ہے۔ بندون

کونہین ، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

| | |
|---|---|
| ان ربکم ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ | تمہارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہی کہ گمراہ کون ہی |
| وھو اعلم بالمھتدین (قلم - ع ۱) | اور راہ حق پر کون کون ہین - |

دوسری جگہ فرمایا:

| | |
|---|---|
| ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن | اس کا علم تمہارے پروردگار ہی کو ہی کہ راہ ضلالت |
| سبیلہ وھو اعلم بمن اہتدی (نجم ۲۶) | پر کون ہے اور راہ حق پر کون - |

ایک اور مقام پر تصریح ہے -

| | |
|---|---|
| قل کل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم | کہدو کہ ہر شخص اپنے اپنے طور پر عمل کرتا ہے اور اسکا علم |
| بمن ھو اھدی سبیلا (بنی اسرائیل ع ۹) | تمہارے پروردگار ہی کو ہی کہ راہ راست پر کون ہی - |

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ حلم و تحمل ، عفو و درگذر ، رافت و رحمت کی تعلیم اور شورش و فساد و تعلی و خودبینی - منافرت و بدامنی کے جذبات کو مٹانے مین قرآن نے کسی دوسری مذہبی کتاب سے کچھ بھی کم حصہ لیا ہے -

یہان تک جو کچھ اسلام کی تعلیمات درج کی گئین وہ براہ راست قرآن مجید کے احکام تھے - اس لیے کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکا اتباع مسلمانون کی ہر جماعت و ہر فرد ، خواہ وہ برائے نام ہی مسلمان ہو ، اپنے اوپر فرض سمجھتی ہی مطالب بالا کی توضیح و تائید مین اب چند احادیث بھی درج کی جاتی ہین جن سے صاف نظر آجائیگا کہ جن بدنصیبون نے رحمت عالم کو (نعوذ باللہ) خونخواری و سفاکی کا لباس پہنا کر دنیا کے سامنے

پیش کیا ہے، انھون نے دیانت وراست گوئی کا کس قدر خون کیا ہی:

---

## سب وشتم وبدزبانی کی ممانعت،

۱ عن ابن مسعود، قال قال رسول اللہ صلعم — ابن مسعود سے روایت ہی کہ رسول خدانے فرمایا کہ
لیس المومن بطعان ولا فاحش — طعن کرنیوالا فحش بکنے والا اور بدزبانی کرنے والا
ولا بذی (ترمذی) — شخص کامل مومن نہین،

۲ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ — ابودرداء سے روایت ہی کہ رسول خدانے فرمایا
صلعم لایکون اللعانون شفعاء یوم — کہ جو لوگ لعنت کرتے رہتے ہین، انکی شہادت
القیمہ ولا شہداء (مسلم) — وشفاعت قیامت مین مقبول نہوگی،

۳ عن ابی ہریرۃ قال قیل یا رسول اللہ — ابوہریرہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلعم
ادع اللہ علی المشرکین والعنہم — سے عرض کی کہ مشرکون کے لیے بد دعا کیجئے اور لعنت
فقال انما بعثت رحمۃ ولم — بھیجیے، آپ نے جواب دیا کہ مین تو صرف رحمت کیلئے
ابعث لعانا (مسلم) — بھیجا گیا ہون نہ اسلیئے کہ لوگون کو بد دعا اور لعنت کرون،

یہ آخری حدیث خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے جس مین تصریح موجود ہے کہ رحمت عالم نے اپنی رحمت کی وسیع دامانی سے مشرکین تک کو محروم نہین رکھا ہی،

---

## حلم وتحمل،

۱ عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ — ابن مسعود سی روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تم پہلوان کسکو

| | |
|---|---|
| صلعم ما تعدون الصرعة فيكم قالوا الذی | قرار دیتے ہو، اصحاب نے کہا وہ جسکو دوسرے اشخاص |
| لا تصرعہ الرجال قال لا ولکنہ الذی | نہ پچھاڑ سکین آپنے فرمایا نہین بلکہ پہلوان وہ ہی جو غصہ کے |
| یملک نفسہ عند الغضب (مسلم) | وقت اپنے نفس پر قابو رکھے، |
| ۲ عن ابی ھریرۃ ان رجل قال یا رسول | ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر آنحضرت |
| اللہ صلعم اوصینی ولا تکثر علی لکے لا | سے عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت کیجے، مگر زیادہ نہ فرمائیگا |
| انسی قال لا تغضب، (بخاری) | کہ مین بھول جاؤنگا، آپنے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر، |

---

## نرمی و رحم دلی

| | |
|---|---|
| ۱ عن عایشۃ عن النبیؐ قال ان اللہ | حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ |
| رفیق یحب الرفق ویعطی علی الرفق مالا | نرم ہے اسلیے نرمی کو پسند کرتا ہی اور جو کچھ نرمی پر دیتا ہی |
| یعطی علی العنف وما لا یعطی علی ما سواہ (مسلم) | وہ سختی پر نہین دیتا، نہ اسکے علاوہ اور کسی شی پر دیتا ہی، |
| ۲ عن عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول | عبد اللہ بن عمر سے روایت ہی کہ آنحضرت نے فرمایا کہ |
| اللہ یقول الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا | رحم والونپر خدائے رحمن رحم کرتا ہے پس زمین والون پر رحم |
| من فی الارض یرحمکم من فی السماء (ابوداؤد) | کرو، آسمان والا تم پر رحم کریگا، |
| ۳ عن اسامہ بن زید عن رسول اللہ صلعم | اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ |
| قال انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء، بخاری - | اپنے بندون مین انھین پر رحم کرتا ہی جو رحم دل ہین ہ |

احادیث بالا مین تم ذرا بھی قید نہین پاؤگے کہ نرمی و رحم دلی کا دایرہ صرف اپنے ہم مذہبون تک

محدود رکھنا چاہیے،

---

عفو و درگزر،

۱ عن انس عن رسول اللہ صلعم انہ قال افضل الفضائل ان تصل من قطعک وتعطی من منعک وتصفح من شتمک

انسؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت نے فرمایا کہ سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس سے رشتہ محبت جوڑو جو اسے قطع کرے اسکو عطا کرو جو تمہیں نہ عطا کرے اور اسے معاف کرو جو تم کو گالی دے

۲ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلعم لا تکونوا امعۃ تقولون ان احسن الناس احسنّا وان ظلموا ظلمنا ولکن وطنوا انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اساؤا فلا تظلموا (ترمذی)

حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ انتقام پسند ہو کر یہ نہ کہو کہ جو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرینگے ہم انکے ساتھ اچھا سلوک کرینگے اور جو ہمارے ساتھ ظلم کرینگے ہم ان کیساتھ ظلم کرینگے بلکہ اپنے نفوس کو اسکا خوگر کرو کہ اگر دوسرے اچھائی کریں تو تم بھی اچھائی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو،

مثال کے طور پر ان چند حدیثوں پر اکتفا کیا گیا۔ ورنہ کتب حدیث اس قسم کے ارشادات سے لبریز ہیں، جو سرتاسر درس حلم وعفو ہیں، ان کے علاوہ متعدد احادیث ایسی بھی منقول ہیں جن میں انسان سے گذر کر حیوانات تک پر شفقت رکھنے کی تاکید آئی ہے، اور ان پر سختی وتشدد کو معصیت قرار دیا گیا ہے،

جس شریعت کی یہ تعلیمات ہوں جس مذہب کے یہ احکام ہوں، اور جس نبی برحق کے یہ ارشادات ہوں کسکو اسمیں شبہ ہوسکتا ہے کہ اس شریعت کا وجود دنیا کے لئے پیام امن، اس مذہب کا حدوث عالم کیلئے مایہ برکت اور اس نبی کا ظہور کائنات کیلئے ایک رحمت ہے

# باب

## اسلام اور تغیر

امتداد زمانہ صورت موجودات کو اکثر اس درجہ مسخ کر دیتا ہے کہ غیر تو کیا خود اپنے تئین شناخت کرنا دشوار ہو جاتا ہے، انسان جوان ہو کر جب اپنے زمانہ شیرخوارگی کی تصویر دیکھتا ہے تو اپنے ماضی و حال کے درمیان کوئی مناسبت پاتا ہے؟ ایک ہشتاد سالہ پیرزال جب اپنے چہرہ کی جہریون کا عکس آئینہ مین دیکھتی ہے تو اسے یہ باور کرنا کس قدر دشوار ہو جاتا ہے کہ یہی چہرہ ایک زمانہ مین رونق و تازگی، حسن و دلربائی و دلکشی کا نگارخانہ تھا؟ ایک کہنہ مشق شاعر جب اپنی نوعمری کا کلام دیکھتا ہے تو مشکل سے اسے اپنا یقین کرتا ہے،

یہی حال اقوام کا ہے۔ یونان کی آج جو دماغی سطح ہے، اسکے لحاظ سے کیونکر یقین آسکتا ہے، کہ ہومر، سوفوکلیز، بقراط، جالینوس، سقراط، فیثاغورث، افلاطون، و ارسطو، اسی سرزمین سے اُٹھے تھے۔ ایران کی موجودہ سیاسی پستی و انحطاط کو دیکھکر کسی کے وہم و گمان مین بھی یہ آسکتا ہے، کہ خسرو و قباد، دارا و جم، اسی خاک کے پیداوار تھے؟ جاپان کو اسوقت حصول جاہ و حشم و اکتساب ثروت و امارت مین جو انہماک ہے، اسے گوتم بدھ کی تعلیم ترک دنیا و تزکیہ نفس سے کوئی بعید سے بعید بھی مناسبت ہے؟

تغیر و انقلاب کے اس عالمگیر قانون سے دنیائے اسلام بھی مستثنی نہین، اگر کسی طرح سے پہلی صدی ہجری کے مسلمانون کو چودھوین صدی ہجری کے مسلمانون کے پہلو مین

لا کھڑا کرنا ممکن ہو، تو اوضاع و اطوار، اعمال و کردار، مراسم و شعایر، احساسات و عقاید، غرض ہر حیثیت سے آسمان و زمین کا فرق نظر آئیگا، یہان تک کہ بعض ایسے عناصر جنھین اسلام کی روح کہنا چاہیے، ان سے موجودہ مسلمان یکسر خالی نظر آئین گے۔

آج اگر کسی غیر مذہب و اقوام کے شخص سے سوال کیا جائے کہ ایک مسلمان کا اس کے ذہن مین کیا تصور ہے تو اسکے پاس صرف دو ہی جوابات ہونگے، یا تو وہ یہ کہے گا کہ مسلمان ایک وجود بے حس کا نام ہے، جو جمود و تعطل کا مجسمہ ہے جس مین کسی طرح کی حمیت، غیرت و خودداری کا وجود نہین، اور جو ہر وقت ادنی معاوضہ پر اپنی عزت نفس کے فروخت کرنے پر آمادہ رہتا ہے، اور یا پھر وہ یہ کہے گا کہ مسلمان ایک شعلۂ آتشین کا نام ہے جس کا مشغلہ جدال و قتال ہے، اور جو دوسرون سے تعصب و عناد، نفرت و عداوت رکھنا اپنی سب سے بڑی عبادت سمجھتا ہے، گویا اغیار کے نزدیک ہر مسلمان اگر وہ محمد شاہ (رنگیلے) یا واجد علی شاہ کا ہم رنگ نہین، تو اپنی جگہ پر چنگیز یا ہلاکو ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیرون کو ان دونون صورتون سے بالکل ہی الگ رہنے کی ہدایت کی ہے، ان مین سے شق اول پر گفتگو کرنا اور یہ دکھانا کہ اسلام تمامتر خودداری و غیر تمندی کی ایک دعوت ہے، ہماری موجودہ موضوع بیان سے خارج ہے، البتہ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ شق آخر الذکر کے متعلق اسلام کی کیا تصریحات ہین عام حلم و لینت عفو و در گزر، اور حسن سلوک کی بابت اسلام کی جو تعلیمات ہین، انکا ذکر باب گزشتہ مین ہوچکا ہے لیکن اگر ایک ظالم حکمران ہم پر تشدد کر رہا ہے، ایک بدکار شخص ہماری ایذا کے درپے

ہے، ایک دشمن ہماری جان ومال پر حملہ کر رہا ہے اسوقت اسلام کس طرز عمل کی ہدایت کرتا ہے
ایسے مواقع کے لیے اسلام کے احکام کیا ہین،

ان سوالات کے جواب مین اسلام نے ایک مختصر وجامع لفظ ارشاد فرمایا ہے اور وہ مختصر لفظ صبر ہے،

قرآن بہ تاکید اپنے ماننے والون کو صبر کا حکم دیتا ہے،

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ (البقر رکع ۵) — صبر ونماز سے مدد چاہو،

خود صبر کرتے رہو اور دوسرون کو صبر کی تعلیم دو،

یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا (آل عمران رکع ۲۰) — اے ایمان لانے والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہو،

خدا انھین لوگون کو دوست رکھتا ہے جو صبر کرتے ہین

یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین (بقر ۱۹) — اے ایمان والو صبر ونماز سے مدد چاہو، کیونکہ خدا صبر کرنے والون ہی کے ساتھ ہے۔

واللہ یحب الصابرین (آل عمران رکع ۱۵) — خدا صبر کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

فلاح وہدایت پانے والے وہی لوگ ہین، جو صبر سے کام لیتے ہین،

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوٰۃ من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون (بقر رکع ۱۹) — اے پیمبر! صابرین کو خوشخبری سنادو، جو مصیبت کے وقت کہتے ہین کہ ہم تو خدا ہی کے ہین اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہین، یہی وہ لوگ ہین جن پر انکے پروردگار کی عنایت ورحمت ہے، اور یہی راہ ہدایت پر ہین

نیک لوگون کی پہچان یہ ہے کہ وہ

والصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس ہ (البقرہ رکوع ۲۲) مصیبت و تکلیف اور خوف کے وقت صبر کرنے والے ہین،

صبر کرنے والون کے لیے اجر بے حساب ہی،

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ، وہ صبر کرنیوالے ہی ہین جنھین بے حساب اجر ملے گا،

دشمنون کے مکاید سے محفوظ رکھنے والی شے صبر ہی ہے،

وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ہ (آل عمران رکوع ۱۲) مسلمانو اگر تم ان (دشمنون) کی ایذاؤن پر صبر سے کام لیتے رہو اور زیادتی سے بچے رہو تو انکا فریب تمھین کچھ نقصان نہین پہنچا سکتا

مخالفین کی ایذا رسانی سے طبعًا تکلیف ہوتی ہے، لیکن اس پر صبر کرنا بڑی ہمت و مرتبہ کا کام ہے،

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور آل عمران رکوع ۱۹ اے مسلمانو تم اہل کتاب و مشرکین سے ضرور ایذا کی باتین بھی بہت سی سنو گے، لیکن اگر صبر و پرہیز گاری سے کام لیتے رہو تو یہ بڑی ہمت کے کام ہین،

ایک دوسری جگہ ہے،

واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور (لقمن رکوع ۲) مصائب پر صبر کر، کہ صبر کرنا بڑی ہمت کا کام ہے

صبر کا انعام اسی مادی زندگی ہی مین مل جاتا ہے، اور جو لوگ مظالم پر صبر کرتے

رہتے ہین بالاخر وہی ظالمون کے ملک ومال پر حاکم ہو جاتے ہین،

| | |
|---|---|
| اورثنا القوم الذین کانو ایستضعفون | جس زمین کو (زرخیزی) کی برکت ہم نے دی تھی، بالآخر اسکے |
| مشارق الارض ومغاربھا التی برکنافیھا | شرق وغرب کا مالک ہم نے اس قوم کو کردیا جو ظالم فرعون کے |
| وتمت کلمات ربک الحسنی علی بنی | ہان) کمزور سمجھی جاتی تھی اور پروردگار کا وعدۂ نیک اس |
| اسرائیل بما صبروا ۱(اعراف رکوع ۱۶) | قوم کے حق مین پورا ہو کر رہا، اسلیے کہ انھون نے ظالم پر) صبر سے کام لیا تھا، |

صبر کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ دشمنی کو دوستی سے بدل دیتا ہے۔ انسان اگر کچھ عرصہ تک صبر سے کام لے اور بُرائی کا بدلہ بھلائی سے کرتا رہے تو دشمن دوست بن جائین گے البتہ صبر سے کام لیتے رہنا بڑے درجہ کے لوگون کا کام ہی،

| | |
|---|---|
| اِدفع بالتی ھی احسن فاذاالذی بینک | بُرائی کا بدلہ بھلائی سے کرو، تو تم دیکھ لوگے کہ تم سے جس |
| وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما | شخص سے عداوت تھی وہ اب تمھارا دلسوز دوست |
| یلقٰھا الا الذین صبروا وما یلقٰھا | بن گیا ہی۔ یہ حسن مدارات کی توفیق انھین لوگون کو دی جاتی |
| الا ذو حظ عظیم (حم سجدہ - ع ۵) | ہے، جو صبر سے کام لیتے رہتے ہین، اور جنکے بڑے نصیب ہین |

فرعون کے جبر وظلم کی مثال دنیا آج پیدا نہین کرسکتی اسنے بالکل بلا قصور وبے سبب اولاد اسرائیل کے قتل عام کا حکم دیدیا تھا، با این ہمہ ایسے موقع پر بھی حضرت موسیٰ نے اسکے خلاف بغاوت نہین کی، اس سے جدال وقتال کے لیے علم جہاد نہین بلند کیا، بلکہ

| | |
|---|---|
| قال موسی لقومہ استعینوا باللہ | موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور صبر سے کام لیتے |
| واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء | رہو یہ ملک تو سب اللہ ہی کا ہی اپنے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے |

من عبادہ والعاقبۃ للمتقین (اعراف رکوع ۱۵) وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر تو پرہیزگارون ہی کا ہے

صبر سے کام لینا پیمبرون کا وصف رہا ہے،

واسمعیل وادریس وذاالکفل، کل من الصبرین۔(انبیاء رکوع ۶) اسمعیل، اور ادریس، و ذوالکفل یہ سب کے سب صابر بندون مین ہوئے ہین،

پیمبرون نے خود اپنی زبان سے اپنے اسی جوہر ممتاز کو پیش کیا ہے،

ولنصبرن علی ما اذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون، (ابراہیم رکوع ۲) (پیمبرون کو جب بہت زیادہ ستایا گیا تو انھون نے اپنی امتون سے کہا) اب تک جیسی جیسی ایذائین تم ہم کو پہنچاتے رہے ہو (ہم نے ان پر صبر کیا اور آیندہ بھی) ضرور ان پر صبر کرتے رہین گے ... ... ... ... ... اور توکل کرنیوالون کو خدا پر توکل رکھنا ہی چاہیے۔

حضرت ایوب نے انتہا سے صبر سے کام لیا، تو انکی خاص مدح آئی، کہ

انا وجدنہ صابرا نعم العبد، (ص رکوع ۴) ہم نے انکو بڑا صابر پایا اور وہ کیا ہی اچھے بندے تھے

حضرت یوسف کو باوجود ظاہری سامان کے نقدان کے جو مرتبہ حاصل ہوا، وہ انکے صبر کی وجہ سے ملا چنانچہ، جب انکے بھائیون کو تنبہ ہوا کہ وہ یوسف ؑ کے سامنے ہین تو آپ نے فرمایا

قال انا یوسف وھذا اخی قد من اللہ علینا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین، (یوسف رکوع ۱۰) کہا ہان مین ہی یوسف ہون اور یہ میرا بھائی ابن یامین ہے ہم پر خدا نے بڑا فضل کیا اور جو کوئی خدا سے ڈرتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو خدا نیکی کرنیوالون کے اجر کو ضائع نہین کرتا،

صبر مجبوری کے مرادف نہین، صبر کی تعریف یہ ہے کہ ظالم سے انتقام لینے کی قوت ہو

پھر بھی انتقام نہ لیا جائے، حضرت داؤد کا صبر اسی قسم کا تھا، کہ باوصف اسکے کہ اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کے مالک تھے، اور طیور و جمادات تک پر انکی حکومت قایم تھی، پھر بھی کفار کے مقابلہ مین بجائے اپنی قوت کے استعمال کے ضبط و تحمل سے کام لیتے تھے، پیمبر اسلام صلعم کو انکی نظیر پر خاص طور پر توجہ دلائی گئی،

اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید..... الخ (ص رکع ۲)
اے پیمبر جیسی جیسی باتین یہ لوگ کرتے ہین ان پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو باوجودیکہ ہر طرح قدرت رکھتے تھے

ابتدائے ظہور اسلام مین کفار نے ایذا رسانی کے جو جو طریقہ اختیار کئے تھے، ان کے تذکرون سے تاریخ اسلام لبریز ہے، ان پیہم شدائد پر پائے ضبط و قرار کو لغزش ہو جانا بالکل مقتضائے بشریت تھا، ان انتہائی مواقع پر بار بار اور تکرار کے ساتھ صبر کی تاکید ہوتی رہی مثلاً

فاصبر علی ما یقولون (طٰہٰ رکع)
اے پیمبر جیسی جیسی باتین یہ کافر کہتے ہین ان پر صبر کرو

واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا (مزمل۔ رکع ۲)
انکی باتون پر صبر کرو اور ایک حسن اسلوب کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو،

واصبر وما صبرك الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تك فی ضیق مما یمکرون ٥ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ٥ (نحل رکع ۱۶)
اے پیغمبر مخالفین کی ایذا پر صبر سے کام لو، جو بغیر توفیق الٰہی کے نہین ہو سکتا ان لوگون کی حالت پر غم نہ کرو اور جو چالین یہ لوگ تمہاری مخالفت مین سوچتے ہین انسے تنگ دل نہو، کیونکہ جو لوگ پرہیزگار ہین اور دوسرونکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہتے ہین خدا انکا ساتھی ہے،

اخلاقی حیثیت سے نہایت نازک موقع وہ ہوتا ہے، جب دو مختلف فرائض مین آکر تصادم واقع ہو جاتا ہے اور فرض شناسی انسان کو متضاد سمتون مین کھینچتی ہے، مثلاً ایک طرف والدین کے ساتھ حسن سلوک اور انکی اطاعت کے لیے قرآن مین جابجا سخت تاکید آئی ہے، لیکن دوسری طرف اسلام نے شرک کو ایسا گناہ قرار دیا ہے، جو کسی حالت مین بھی قابل معافی نہین، اور جسکے مقابلہ مین تمام دیگر معاصی ہیچ ہین، اب فرض کرو والدین مشرک ہین، اور وہ اولاد کو اپنے عقیدہ کا پابند بنانا چاہتے ہین ایسی صورت مین اولاد کا کیا فرض ہونا چاہئے؟ ان کے فرمان کے آگے گردن ڈالدے؟ یا اُن کے خلاف علم بغاوت بلند کرے؟ اسلام نے ان دونون صورتون کو رد کر کے ایک تیسری صورت پیش کی ہے، جس سے زیادہ قرین عدل واعتدال کوئی اور راستہ ممکن ہی نہین یعنی اس باب خاص مین ہرگز ان کی تعمیل ارشاد نہ کی جائے، باایں ہمہ تمام دوسری باتون مین انکا ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہئے، قرآن کے الفاظ بالکل واضح ہین،

| | |
|---|---|
| ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھداک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما، (عنکبوت - رکوع ۱) | اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا لیکن اگر وہ اسکے درپے ہون کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جسکے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہین، تو اس ایک بات مین انکا کہنا ماننا، |

دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ توضیح ہے،

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ   ہم نے انسان کو اسکے والدین کے حق مین تاکید کی کہ

وهنا على وهن وفصله في عامين ان اشكر لي ولوالديك الي المصير وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا۔

(لقمن رکع ۲)

ہر حال مین انکا ادب ملحوظ رکھے کہ اسکی مان نے جھٹکے پہ جھٹکے اٹھاکر اپنے پیٹ مین رکھا اور دو برس تک اسکی رضاعت کی پس ہم نے اسی حکم دیا کہ ہمارا بھی شکرگزار ہو اور اپنے والدین کا بھی کہ آخرکار ہماری ہی طرف سب کو واپس آنا ہی لیکن اگر تیرے والدین تجھکو مجبور کرین کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک بنائے جسکے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہین تو اس بات مین تو انکا کہا نہ ماننا لیکن دنیا مین سعادت مندانہ سلوک کیے جانا۔

غور کرو شرک سے بڑھکر اسلام کی نظر مین قابل نفرت شے اور کونسی ہو سکتی ہے؟ اس پر بھی اگر والدین اسکے لیے مجبور کرتے ہین، تو انکے خلاف اعلان جنگ کر دینے کا حکم نہین ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ گو اپنے عقیدہ پر استحکام و استقامت کے ساتھ قایم رہنا، والدین کے کہے مین آکر اپنے ایمان مین لغزش نہ پیدا کر دینا، تاہم ان سے لڑنے نہ لگنا، بلکہ انکے ساتھ حسن سلوک و رحق و مدارات برابر جاری رکھنا، جب یہ حکم شرک سے متعلق ہے تو اس سے کم درجہ کے معاصی کی بابت اسلام کی رواداری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

کہہ سکتے ہو کہ والدین و اولاد کے باہمی تعلقات کی ایک استثنائی صورت ہے: اتنی رواداری ہر شخص کے مقابلہ مین نہین برتی جا سکتی لیکن چند سطرین اوپر صبر و تحمل سے متعلق جو کثیر التعداد آیات قرآنی نقل کی گئین، ان سب مین صبر و تحمل کی تعلیم عام کفار و مشرکین ہی کے مقابلہ مین ہے، انھین برابر ذہن مین محفوظ رکھنا چاہیے۔

پیمبرون کو انکی امتون نے کیسی کیسی شدید ایذائین پہنچائین لیکن قرآن انکے مقابلہ مین ان حضرات کے ضبط وتحمل کی کسقدر داد دیتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب لوگون نے بہت ستایا اور انھون نے دعا کے لیے ہاتھ اوٹھاے تو یہ نہین کہا کہ میرے مخالفین سب غارت وہلاک کر دیے جائین، بلکہ کہا تو یہ کہا، کہ

فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی — جس نے میری پیروی کی، وہ میرا ہی اور جس نے میری نافرمانی
فانک غفور رحیم، (ابراہیم رکوع) — کی تو اسے خدا تو بخشنے والا مہربان ہی،

یہ ابراہیم کون؟ وہ جنکی ملت ابراہیمی ہی کا دوسرا نام اسلام ہے، جنکے حسن عمل پر قرآن نے سب پیمبرون سے زیادہ توجہ دلائی ہے، اور جنکے طرز عمل کو قرآن نے اپنے پیرون کے سامنے تصریح کے ساتھ بطور "اسوہ حسنہ" کے پیش کیا ہی،

یہی طرز عمل رافت مجسم حضرت مسیح کا بھی تھا، یہان تک کہ جب ان سے انکی امت کی تثلیث پرستی کی بابت سوال ہوگا، تو اسوقت بھی انکی زبان سے بجاے کلمات غیظ وغضب کے یہ الفاظ نکلین گے،

ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم — اگر تو انھین عذاب دینا چاہتا ہی تو یہ تیرے ہی بندہ ہین
فانک انت العزیز الحکیم ۰ (مائدہ رکوع) — تجھے اختیار ہی) اور اگر انھین بخشنا چاہتا ہی تو تو غالب اور حکمت والا ہی

سب سے آخری بحث یہ ہے کہ باوجود انتہائی ضبط وتحمل، صبر وعفو سے کام لینے کے بھی اگر کوئی شخص ناحق ہماری ایذا رسانی کے نہین بلکہ سرے سے ہماری جان ہی لینے کے درپے ہی تو ایسی صورت مین دین حق کا کیا فتویٰ ہے؟ ایک شخص بالکل بلاقصور ہمارے قتل کرنے کو

تلوار اٹھا رہا ہے ہم گردن ڈالے دیتے ہیں، اس سے بھی وہ متاثر نہیں ہوتا، بلکہ وار کرہی ہاہی اس آخری صورت میں تو یقیناً چارہ کار یہی ہوگا کہ ہم بھی حفاظت خوداختیاری کا کام قبضۂ شمشیر سے لیں؟ لیکن دیکھو خود پروردگار عالم کے ہاں سے کیا فرمان صادر ہوتا ہی،

واتل علیهم نبا ابنی آدم بالحق اذ قربا
قربانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل
من الاخر قال لاقتلنك قال انما
یتقبل الله من المتقین لئن بسطت
الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی
الیك لاقتلك انی اخاف الله رب
العالمین انی ارید ان تبوء باثمی
واثمك فتكون من اصحب النار وذلك جزاء
الظالمین فطوعت له نفسه قتل اخیه
فقتله فاصبح من الخسرین،
مائدہ ۵، رک ۵،

اے پیغمبر ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کے واقعی حالات
پڑھکر سناؤ کہ جب دونوں نے نیازیں چڑھائیں تو ایک کی
قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہوئی تو وہ مارے حسد کے
لگا کہنے کہ میں تجھکو قتل کر ڈالونگا اس نے جواب دیا کہ خدا تو
صرف پرہیزگاروں کی نیاز قبول کرتا ہے اور اگر میرے قتل کیلیے
تو ہاتھ چلائیگا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھپر ہاتھ چلانے والا
نہیں کیونکہ میں خدا پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں، میں تو چاہتا
ہوں کہ تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹے اور دوزخیوں میں
جا شامل ہو، کہ ظالموں کی یہی سزا ہی، اس پر اس حاسد بھائی
کے نفس نے اسکو اپنے بھائی کے قتل ہی پر آمادہ کیا چنانچہ آخرکار
اس نے قتل کر ہی ڈالا اور آپ ہی گھاٹے میں آگیا

خیال کرو قتل ناحق کی اس سے بڑھکر مثال دنیا اور کیا پیش کرسکتی ہے، دو برابر کے بھائی ہیں، دونوں نذریں چڑھاتے ہیں، ایک کی قبول ہوجاتی ہے، دوسرے کی نہیں قبول ہوتی بدکار بھائی حسد سے بیخود ہوکر نیک کار بھائی کو قتل کر ڈالنا چاہتا ہے، وہ بیچارہ چوں تک

نہین کرتا، بلکہ صاف کہدیتا ہے کہ ہاتھ چلانے کا اختیار رہے، لیکن مین حفاظت خود اختیاری مین بھی ہاتھ نہین اُٹھانیکا، شقاوت مجسم بھائی کی آتش غضب اس غیر معمولی حلم سے بھی نہین سرد ہوتی ہے اور وہ قتل کرہی ڈالتا ہے، سعادت مجسم بھائی بلا تامل مقتول و مظلوم بننا گوارا کرلیتا ہے، لیکن معاوضۃً بھی اپنی انگلی نہین اٹھاتا بلکہ اس کا انصاف عادل حقیقی کے سپرد کرتا ہے[1]،

راہ سعادت پر اس استقامت، اس صبر و توکل، اس ایثار و سرفروشی سے بڑھکر کوئی مثال دنیا کے کسی مذہبی لٹریچر مین مل سکتی ہے؟

---

[1] اس آیت قرآنی کے ذیل مین ایک حدیث بھی نظر سے گذری ہے، جو دنیا کے موجودہ صورت واقعات سے اسقدر مطابق ہے، کہ بغیر اسے درج کیے رہا نہین جاتا، اصل حدیث کسی قدر طویل ہے، اسلیے یہان صرف اسکے مختصر ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے،

"ابوموسیٰ سے روایت ہے، کہ آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت برپا ہونے سے پیشتر ایسے فتنہ و فساد برپا ہونگے کہ گویا شب تار کی ظلمت چھا جائے گی، یہان تک کہ جو شخص ان مین صبح کو مومن ہوگا وہ شام کو کافر ہو جائیگا، اور جو شام کو مومن ہوگا وہ صبح کو کافر ہو جائیگا اسوقت بیٹھا ہوا شخص بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے، اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے، اسوقت اپنی کمانون کو توڑ ڈالنا، چلون کو کاٹ ڈالنا اور تلوارون کو پتھر دے مارنا تاکہ بیکار ہوجائین، اسوقت اگر کوئی شخص تمھارے اوپر حملہ کررہا ہو تو تمھین چاہیے کہ آدم کے دونون فرزندون سے بہتر کی تقلید کرو،

(ابوداؤد و ترمذی) باب الفتن

جو مذہب اپنے پیرودن کے سامنے یہ بلند ترین یہ حیرت انگیز نمونہ صبر و ایثار کے پیش کرتا ہے، اسکو چنگیز و ہلاکو کا مذہب سمجھنا کسی صحیح الحواس شخص کا کام ہوسکتا ہے؟

آج ہندوستان مین مہاتما گاندھی کے اصول ستیاگرہ کی دھوم مچی ہوئی ہے اور اس مین شبہ نہین کہ یہ تحریک موجودہ دنیاے اخلاق، معاشرت و سیاست مین مفید ترین انقلابات پیدا کرسکتی ہے لیکن کیا یہ تحریک جدید ہے،

اس مسلک کے عناصر ترکیبی جو خود مہاتما گاندھی نے بتائے ہین حسب ذیل ہین،

۱ حق پر پوری طرح استقامت ہو، دنیا کا کوئی خوف کوئی طمع، کوئی توقع، کوئی اندیشہ کوئی رشوت، جادۂ حق کی راہروی مین لغزش نہ پیدا کرسکے،

۲ اعمال مین درشتی، اقوال مین خشونت اور دل مین غیظ و غضب کا شائبہ تک نہ ہو،

۳ شدائد پر برداشت پوری خندہ روئی اور کامل خلوص کے ساتھ کی جائے،

لیکن اسلام کی تعلیم جو اوپر بیان ہوئی، وہ کیا اس سے ایک ذرہ بھی مخالف ہے، اصل یہ ہے کہ آج جسے ستیاگرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کے لیے اسلام مین ایک جامع و مختصر اصطلاح "صبر" کی ہے جسکے تحت مین وہ پورا مطمح اخلاق آجاتا ہے جسے آج ستیاگرہ کہتے ہین اور یہ اصول آج کا پیدا کیا ہوا نہین، یہ وہ اصول ہے جسکی منادی پوری قوت و جامعیت کے ساتھ تیرہ سو برس پیشتر ہو چکی ہے جسپر عملدرآمد کا ایک واضح ترین نمونہ تیرہ سال کے قیام مکہ مین اور تین برس کی مدت تک شعب ابوطالب مین محصور رہکر خود شہنشاہ کونین صلعم کی سیرت مبارک ہے جس پر حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم وغیرہ متعدد انبیا اجل کا عمل رہا ہے اور جس کا سب سے پہلا اور مکمل نمونہ

حضرت آدم کے سعید و رشید فرزند ہابیل نے اپنی جان دے کر پیش کیا تھا،

ان تصریحات کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ستیاگرہ (یا صبر) کی تعلیم در اصل اسی نغمۂ ازل کی ایک صدائے بازگشت ہے جو ابدالآباد سے مطرب فطرت کے ساز ہدایت سے نکل رہا ہے اور گاندھی جی نے جام و صراحی اگرچہ جدید پیش کیا ہے لیکن یہ بادۂ دیرینہ ساقی کوثر ہی کا عطیہ ہے۔

ساقی بیا کہ عشق ندا می کند بلند
کانکس کہ گفت قصۂ ما ہم ز ما شنید

انکی صدائے صبر و عدم تشدد جو آج بعض کانون کو نامانوس معلوم ہو رہی ہے، اسکا اصل باعث یہ ہے کہ ہم خود اپنے سے بیگانہ ہو چکے ہین۔

اس سے انکار نہین، کہ اسلام نے بعض مخصوص صورتون مین قتال کو نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دیا ہے۔ کلام مجید مین فضایل غزا و قتال بیسیون مقامات پر بیان ہوئے ہین، فرضیت قتال کی جا بجا تصریحات ہین، سرور کائنات صلعم نے بنفس نفیس بارہا جہاد مین شرکت و رہنمائی فرمائی ہے، لیکن یہ احکام و فرائض ایسے مخصوص حالات سے متعلق ہین، اور ایسے اہم و سخت شرایط سے مقید ہین، جنکا وجود مین آنا زمانۂ موجودہ مین نہایت دشوار نظر آتا ہے۔ ان شرایط و حالات پر تفصیل سے گفتگو کرنے کا یہ موقع نہین، اشارۃً تین اہم شرایط کا ذکر کافی ہوگا،

(۱) صبر و عدم تشدد کی تمام تدابیر استعمال مین آ چکی ہون، اور سب کی ناکامی واضح ہو گئی ہو۔

(۲) حالتِ جنگ و انتقام میں بھی حدودِ انسانیت سے کسی طرح تجاوز نہ کیا جائے۔

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن۔ (بقرع ۲۴)

(۳) قتال کا مقصد حصولِ جاہ و ملک نہو، بلکہ محض دفاعِ جور و ستم ہو۔

وَالْفِتْنَۃُ اشدّ من القتل ..... وَقٰتِلُوْھُمْ حتّٰی لا تکون فتنۃ (بقرع ۲۴)۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌ بِہٖ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللّٰہ والفتنۃ اکبر من القتل (بقرع ۲۷)

(۴) نیت میں نفسانیت و عُلوّ فی الارض نہ ہو بلکہ محض خدمتِ راہِ حق ہو

وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم

خلوصِ نیت اور خالصۃً اطاعت امرِ حق کی شرط اس زمانہ میں عنقا ہے۔ یہی وہ شرط ہے جو اسلامی جہادوں اور دنیا کے عام جدال و قتال کے درمیان آسمان و زمین کی نسبت پیدا کیے ہوے ہے۔ اسی خصوصیتِ جہادِ اسلامی کی ترجمانی مولانا رومی رح نے جناب امیر علیہ السلام کی زبان سے ان الفاظ میں کی ہے ؎

گفت من تیغ از پئے حق می زنم — بندۂ حقم نہ مامورِ تنم
من چو تیغم وان زنندہ آفتاب — ما رمیت اذ رمیت در حراب
من چو تیغم پر گہرہاے وصال — زندہ گردانم نہ کشتہ در قتال
بخل من للّٰہ عطا للّٰہ و بس — جملہ للّٰہ ام نیم من آن کس
تو نگار یدہ کف مولیستی — آن حقی کردۂ من نیستی

نقش حق را ہم بامر حق شکن　　بر زجاجۂ دوست سنگِ دوستان زن

(مثنوی دفتر اول، حکایت آخر)

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس مین ہر موقع اور ہر صورت کے مناسب الگ الگ احکام موجود ہین۔ بعض مخصوص مواقع وحالات بے شبہہ ایسے آپڑتے ہین، جن مین بجز قتال کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہین رہتا، اور جنکی تفصیل بجائے خود ایک مستقل تالیف کی محتاج ہے۔ لیکن دنیا کے عام حالات سے متعلق امن وصبر کے وہی احکام ہین جنکی تصریح اوراق بالا مین گذر چکی۔

---

# ضمیمہ اوّل

## اعداد نقصانات جنگ عظیم

گذشتہ جنگ یورپ مین کل دنیا نے جان و مال کا جس قدر نقصان اٹھایا، اس کے بابت صحیح اعداد اب تک کہین تیار نہین ہو سکے ہین، اور شاید تیار ہو سکتے بھی نہین، البتہ امریکہ کے بعض ماہرین علم الاعداد نے ان ممالک کے، جو براہ راست فریق جنگ تھے، مقتولین و مجروحین شدید کا ایک تخمینہ تیار کیا ہے، جس سے کل اتلاف جان و مال کے اندازہ کرنے مین کچھ مدد ملیگی، یہ واضح رہے، کہ فہرست ذیل مین مقتولین سے مراد صرف انھین نفوس سے ہے جنکی براہ راست ہلاکت کا قطعی علم ہو چکا ہے، مفقود الخبر وغیرہ اس عنوان مین شامل نہین، اور نہ وہ مرنے والے شامل ہین، جو اگرچہ جنگ مین براہ راست نہین کام آئے، تاہم ان کی موت و ہلاکت کا سبب اثرات جنگ ہی ہوئے، علیٰ ہذا مجروحین کی فہرست مین وہ لوگ داخل نہین جن کے زخم نسبتہً خفیف سمجھے گئے، حالانکہ بہت بڑی تعداد انھین لوگون کی تھی۔

ان تصریحات سے معلوم ہوگا، کہ تخمینۂ ذیل تخمینۂ اقلیت ہے، اور مقتولین و مجروحین کی اصل تعداد اعداد ذیل سے نہ صرف زاید بلکہ بدرجہا زاید ہے:۔

### فریق اوّل

| ملک | مقتولین معلوم | مجروحین شدید |
|---|---|---|
| روس | ۱۷۶۲۰۶۴ | ۱۰۰۰۰۰۰ |

| | | |
|---|---|---|
| فرانس | ۱۳۲۷۸۰۰ | ۷۰۰۰۰۰ |
| برطانیہ | ۱۵۴۷۰۰۰ | ۶۱۷۷۴۰ |
| سرویا | ۳۴۳۷۰۰۰ | ۳۴۲۰۰۰۰ |
| اٹلی | ۸۰۷۱۲۰ | ۵۰۰۰۰۰ |
| رومانیا | ۳۳۹۱۷ | ۲۰۰۰۰۰ |
| بلجیم | ۲۶۷۰۰۰ | ۴۰۰۰۰ |
| امریکہ | ۱۱۷۱۵۱ | ۴۳۰۰۰ |
| یونان | ۱۵۰۰۰ | ۱۰۰۰۰ |
| پرتگال | ۴۰۰۰ | ۵۰۰۰ |
| جاپان | ۳۰ | ۴۰۰ |
| میزان فریق اول | ۵۹۵۴۳۸۷ | ۲۴۳۸۱۴۰ |
| | فریق دوم | |
| جرمنی | ۱۶۱۱۱۰۴ | ۱۶۰۰۰۰۰ |
| آسٹریا | ۹۱۱۰۰۰ | ۸۵۰۰۰۰ |
| ٹرکی | ۴۳۶۹۷۴ | ۱۰۷۷۷۲ |
| بلگیریا | ۱۱۰۱۲۲۴ | ۳۰۰۰۰۰ |
| میزان فریق دوم | ۳۰۶۰۳۰۲ | ۲۸۵۷۷۷۲ |

| | | |
|---|---|---|
| مجموعی میزان فریقین | مقتولین | ۹۰۱۴۶۸۸ |
| | مجروحین شدید | ۴۲۹۵۹۱۲ |

نقشۂ بالا مین برطانیہ کے مقتولین کی تعداد ۸۰۷۴۵۱ اور مجروحین شدید کی ۶۱۷۷۴۰ دی گئی ہی لیکن خود برطانیہ کے سرکاری اعداد کے بموجب (جنکا اعلان ۲۵ مارچ ۱۹۲۱ء کو ایوان دارالعوام لندن مین کیا گیا) مقتولین کی تعداد بقدر ۶۰ ہزار کے زائد، یعنی ۸۶۷۹۵۵ اور کل مجروحین کی تعداد اعداد نقشۂ بالا سے کئی گنی زائد یعنی ۲۰۹۰۹۸۹ تھی، یہ سرکاری اعداد بمقابلہ تخمینۂ سابق الذکر کے بہرحال زیادہ مستند ہین۔ اسی طرح غالباً تخمینہ کے ہر عنوان مین نقصانات کو ہلکا ہی دکھایا گیا ہی، پس برطانیہ کی مثال پر قیاس کر کے کہہ سکتے ہین، کہ مقتولین و مجروحین جنگ کی کل میزان حقیقتہً اس سے بدرجہا زاید ہی، جتنی تخمینۂ بالا مین مندرج ہی۔

یہ ان نقصانات جان کا اندازہ تھا، جو جنگ سے براہ راست وقوع مین آئے، باقی جنگ کے بالواسطہ جو اثرات مترتب ہوئے، مثلاً ہر ملک مین گرانی اشیا، بعض خطون مین قحط، امراض وبائی، وغیرہ اور ان سے جس قدر اتلاف نفوس ہوا، اس کے اعداد ہر تخمینہ و اندازہ سے فزون تر ہین،

ایک محقق نے حساب کر کے یہ نتیجہ نکالا ہی، کہ انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) سے لیکر جنگ بلقان (۱۹۱۳ء) تک سوا سو ۱۲۵ برس کی مدت کے درمیان جتنے نفوس کل جنگون مین ہلاک ہوئے ہین، انکی دو چند سے زاید تعداد اس ساڑھے چار سال کے عرصہ مین جنگ

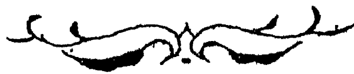
یورپ میں کام آئی ہے،

یہ اتلاف نفوس کا پہلو تھا، مالی نقصانات کے لحاظ سے مختلف ماہرین نے مختلف تخمینہ تیار کئے ہین، ذیل مین دو تین درج کئے جاتے ہین:-

| | | |
|---|---|---|
| پروفیسر بوگارٹ (الینوسی یونیورسٹی امریکہ) | ۱۸۶۳۳۳۶۳۷۰۹۷ | ڈالر |
| ۲. مسٹر بکر (ایک امریکی محقق) | ۱۹۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰ | ,, |
| ۳. مسٹر اڈگر کریمنڈ (ایک انگریز محقق) | ۲۱۰۱۷۵۰۰۰۰۰۰ | ,, |

(ایک ڈالر تقریباً ۴½ شلنگ کے مساوی ہوتا ہے)

تمام دنیا کا نظام معیشت جو جنگ کے بالواسطہ اثرات سے برباد ہوگیا، اسکے نقصان کو اعداد کے ذریعہ سے پیش کرنا کسی انسانی دماغ کے بس کی بات نہین،



# ضمیمہ دوم

## یورپ مین بے روزگاری

جنگ کے جو بالواسطہ اثرات نظام معیشت پر پڑے، ان کا ایک نمایان مظہر یہ ہی، کہ کاروباری یورپ مین بے روزگاری کی ایک ہوا چل گئی ہی، صدہا کارخانہ ٹوٹ گئے ہین، اور لکھو کہا مخلوق جسکا واحد ذریعۂ معاش ان کارخانون مین مزدوری کرنا تھی اب بالکل بے روزگار پھر رہے ہین، اور حکومت کے خلاف سخت سے سخت مظاہرہ کرتے رہتے ہین، جنگ کی یہ ضرب سب سے سخت برطانیہ کے جسم پر پڑی ہی، اعداد ذیل سے، جسکا حساب یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو لگایا گیا، مختلف متمدن ممالک مین بے روزگار افراد کی تعداد کا اندازہ ہوگا،

| | |
|---|---|
| ۱۔ ہالینڈ | ۲۶۲۹۵ |
| ۲۔ سویڈن | ۳۷۲۰۰ |
| ۳۔ سویزرلینڈ | ۴۸۲۱۸ |
| ۴۔ فرانس | ۱۱۸۵۶ |
| ۵۔ بلجیم | ۳۰۱۱۰ |
| ۶۔ جرمنی | ۱۱۳۲۲۱ |
| ۷۔ برطانیہ | ۱۴۳۷۰۰۰ |

ہالینڈ، سویزرلینڈ، و سویڈن، شرکت جنگ سے الگ رہتے تھے، تاہم اختلال نظام معیشت کا اثر متعدی ہوکر ان تک بھی پہنچا،

# ضمیمہ سوم

## مصارف تصفیہ صلح

ہماری زبان مین ایک مشہور کہاوت ہی "بیاہ کا پچھا بھاری"۔ اس کی پوری مصداق حالت بعد جنگ ہوتی ہی یعنی جب لڑتے اور لڑانے سے عاجز آکر بازی سیاست کے نامور و آزمودہ کار کھلاڑی صلح کانفرنس کی گول میز پر بیٹھتے ہین، تو محض گفتگوئے مصالحت کے مصارف اتنے ہوتے ہین، کہ اگر انکا بار کسی ایک سلطنت پر پڑے، تو یقیناً رعایا پر ایک مخصوص ٹیکس اضافہ کرنے کی ضرورت پڑ جائے، چنانچہ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء مین پیرس مین جو صلح کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس کے مجموعی مصارف ۱۰۰۴۷۷۰۰ روپیہ (یعنی ایک کرور سے زائد) ہوئے اور پھر صلح کانفرنس ایک نہین ہوتی، کانفرنسون کا ایک پورا سلسلہ قائم رہتا ہی،

سنہ ۱۹۲۲ء مین مسٹر ہلٹن ینگ، سکریٹری خزانہ برطانیہ نے پارلیمنٹ مین بیان کیا، کہ مختلف کانفرنسون کے مصارف کا حسب ذیل حصہ رسدی برطانیہ کے حصہ مین پڑتا رہا ہی:-[1]

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| سین ریمو کانفرنس | | (تقریباً) | ۱۲۷۶۵ | روپیہ |
| بولون | ,, | ,, | ۵۶۲۵ | |
| بروسیلز | ,, | | ۲۵۴۰۰ | |
| لیین | ,, | | ۲۱۴۵ | |

[1] اصل حساب سکۂ انگریزی مین تھا، یہان شلنگ وغیرہ کو حذف کر کے صرف پاونڈون کو روپیہ مین تبدیل کردیا گیا

| | | | |
|---|---|---|---|
| لیکے کانفرنس | (تقریباً) | ۲۰۸۵ | روپیہ |
| پیرس (جنوری سنہ ۱۹۲۳ء) " | " | ۴۸۹۰ | " |
| ہاتیھ | " | ۱۳۲۷۰ | " |
| پیرس (جنوری سنہ ۱۹۲۴ء) | " | ۵۳۷۰ | " |

